امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 61/71 | مورخہ ۳ر ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۲۰۲۱ء روز سوموار | شمارہ نمبر 24

اس شمارہ میں

- اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
- دینی مسائل
- یادوں کے چراغ، کتابوں کی دنیا
- حکایات اہل دل
- مضبوط خاندان کے خدوخال
- یوپی میں فرقہ پرستوں کا سیاسی کھیل
- سی اے اے کے ذریعہ......
- مدارس کی بھی قدر کریں
- شادی کو کیسے آسان بنایا جائے

وحدتِ اُمت

بین السطور

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اتحاد امت، شرعی اور سماجی ضرورت ہے، جب کہ اختلاف رائے کا وجود فطری ہے، اس لیے ہم شرعی ضرورت کے پیش نظر اتحاد امت کے پابند ہیں اور فکر ونظر کے اختلاف کے باوجود اتحاد امت اور وحدت امت کو اپنی ایمانی اور اسلامی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں، اختلاف کلمۂ واحدۃ کے ماننے والوں کے درمیان عقائد کا ہو یا فروعی مسائل کا، ان اختلافات کو عملی زندگی میں برتنے کے بھی کچھ شرعی اصول وحدود ہیں، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اختلاف کی سرحدوں کو پہچاننا چاہیے اور اعتدال وتوازن کے ساتھ احکام ومسائل کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

یہاں اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اتحاد امت کا مطلب تمام مذاہب ومسالک کا ادغام یا تمام مذاہب ومسالک سے مشترکہ چیزوں کو لے کر نیا مذہب بنانا نہیں ہے؛ بلکہ اتحاد امت کا مطلب اپنے مسلک ومذہب پر عامل رہتے ہوئے دوسرے مسلک ومذہب والوں کا احترام اور فروعی مسائل کو نزاعی بنانے سے اجتناب ہے: اسی طرح اختلاف رائے سے مراد وہ اختلاف وافتراق ہے جو امت اجابت کے درمیان ہے، امت دعوت یعنی غیر مسلموں سے اتحاد مراد نہیں ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان ایک امت ہیں، ان کے اتحاد کی بنیاد کلمہ، قبلہ، کتاب اور رسول کا ایک ہونا ہے، ان کے علاوہ عقیدۂ آخرت، دخول جنت وجہنم، نماز، روزہ، حج وزکوۃ کی فرضیت، جہاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مشروعیت میں سبھی متحد ومتفق ہیں؛ اس لیے مسلمان ایک امت ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو دو آسمانی مذاہب کے ماننے والے یہودی اور نصرانی تک کو بعض امور مشترکہ کی وجہ سے ایک امت کہہ کر ان کے خلجان اور خدشات کو دور کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو دین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور انبیاء سابقین جس دین کے حامل رہے، وہ ایک ہی دین، دین توحید ہے اور جس ملت کے داعی رہے وہ ملت اسلام ہے، لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور الگ الگ راہیں نکال لیں، نفسانی خواہشات اور اتباع ہوئی کی وجہ سے لوگ فرقوں اور ٹکڑوں میں بنٹ گیے اور ہر فرقہ اپنے کو اچھا اور دوسرے کو گھٹیا اور ذلیل سمجھنے لگا، رسولوں کی واضح ہدایات کو پس وپشت ڈال کر دین کو بازیچۂ اطفال بنا دیا اور اپنے عقائد وخیالات کو اصل دین کی جگہ دے کر ہر گروہ مسرور وشاداں اور اپنی غفلت، ضلالت اور جہالت کے نشے میں سرشار ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس امت میں جو اختلاف وانتشار وتفرقہ بازی ہے وہ بڑی حد تک یہود ونصاریٰ کے باہمی تفرقہ واختلاف کی طرح ہے اور جس سے اللہ رب العزت نے سختی سے منع کیا ہے۔

ہم اس سے باز نہیں آئے تو جتنی مصیبتیں آئیں، تھوڑی ہیں، آلام ومصائب، قتل وغارت گری سب ہمارے اس افتراق وانتشار کا شاخسانہ ہے، اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ان حالات کے سلسلے میں متنبہ کیا تھا، لیکن ہم نے اس پر غور نہیں کیا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے، آپ دیکھیے تو سہی، ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جائیں''۔

لیکن ہم سمجھ نہیں سکے، ہم الجھے اور الجھتے چلے گیے، معتزلہ اور خوارج کے جھگڑے تو اب قصۂ پارینہ بن چکے ہیں؛ لیکن شیعہ، سنی، سلفی، غیر سلفی، دیو بندی، بریلی، مذہبی اور غیر مذہبی؛ بلکہ ایک ہی مذہب ومسلک میں مفادات وتحفظات کی لڑائی اسلام پسند اور لبرل طبقوں کے اختلافات نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے، یہ عذاب کی اندرونی اور داخلی قسم ہے، جو پارٹی بندی، باہمی جنگ وجدال اور آپس کی خوں ریزی کی شکل میں امت مسلمہ پر مسلط ہے، پورے عالم اسلام اور خود ہندوستان میں اس اختلافات کی وجہ سے جنگ وجدال ہی نہیں، قتل وغارت گری تک کی نوبت آگئی ہے، مسجدوں میں بندوقیں چل رہی ہیں، پڑوسی ملک میں ہزاروں لوگ مارے جا چکے ہیں، شام، عراق یمن وغیرہ میں کئی لاکھ اپنے ملک اور علاقہ کو چھوڑ کر پناہ گزیں کیمپوں میں ہیں اور خانہ بدوشوں کی زندگی گذار رہے ہیں، ان کی بنیادی انسانی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو پا رہی ہیں، بہت سارے ملک ان کو پناہ بھی دینے کو تیار نہیں ہیں، ماضی میں کئی ملکوں کی سرحدوں سے انہیں کھدیڑا گیا اور کئی کشتیاں غرق آب ہو گئیں اور اس پر سوار پناہ گزیں سمندر کی کوکھ میں سما گیے، بعض بچے کو پانی نے ساحل سمندر پر ڈال دیا اور بعض کی لاشوں کا پتہ نہیں چل سکا اور ہمیں اب بھی ہوش نہیں آرہا ہے۔ پس اصلاً دین ایک ہے اور امت مسلمہ بھی ایک ہے، نسلی، لسانی، مسلکی اختلافات اور ملکوں کی سرحدوں کا کلمۂ واحدہ اور دین کی بنیاد پر متحد ہونا امر مستبعد نہیں ہے، اللہ نے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے اور جس قدر اس میں مضبوطی آئے گی، اختلاف وانتشار دور ہوں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ اعتصام بحبل اللہ اور افتراق سے اجتناب؛ یہ اتحاد امت کی دو قرآنی بنیادیں ہیں، ان بنیادوں سے گریزان اختلافات کو جنم دیتا ہے جو مذموم ہیں، اور جن کی وجہ سے ملت میں انتشار پیدا ہو گیا ہے، حبل اللہ سے مراد بعضوں نے دین اور بعضوں نے قرآن کریم لیا ہے، مقصود ایک ہی ہے، آج مسلمانوں کے درمیان جو افتراق وانتشار ہے، وہ قرآن کریم احادیث رسول اور شریعت مطہرہ سے دوری کا نتیجہ ہے، اگر قرآن کریم ہماری زندگی میں آجائے اور وہ ہمارے سارے اعمال کا محور بن جائے تو اس امت کو ایک امت بننے سے نہیں روکا جا سکتا اور فروعی اختلافات اتحاد کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔

اختلافات قرونِ اولیٰ میں بھی تھے، لیکن یہ آپسی مخالفت، بغض وعناد، کینہ کدورت اور جدال وقتال کی بنیاد نہیں بنتے تھے، خود صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جزوی اور فروعی مسائل میں اختلافات منقول ہیں، حضرت عائشہؓ غسل میں عورتوں کے جوڑا کھولنے کی قائل نہیں تھیں اور اوپر سے پانی بہانا وہ بھی تین چلو کافی سمجھتی تھیں، بعض صحابہ سماع موتی کے قائل تھے، بعض مردوں پر نوحہ کرنے سے مردے پر عذاب کی بات کہا کرتے تھے، جبکہ بعض دوسروں کا استدلال وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (النجم:۳۸) یعنی کسی دوسرے کا بوجھ کوئی اٹھانے والا نہیں اٹھاتا، سے تھا کہ دوسرے کے گناہ کا بوجھ مُردے پر نہیں ڈالا جا سکتا؛ کیونکہ ہر ایک کو اپنی اپنی جواب دہی خود کرنی ہوگی؛ ان اختلافات کے باوجود ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کے احترام میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا؛ بلکہ صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے اختلافات باعث رحمت سمجھے جاتے تھے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے عمل کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوتی تھی۔

یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ شیعہ سنی کے بعض اختلافات اور تنازعات بنیادی اور اساسی ہونے کے باوجود اور شیعوں کے بعض فرقوں کے خارج از اسلام اور بعض کے گمراہ قرار دینے کے باوجود کسی فریق کی طرف سے بے دریغ قتل وغارت گری، بدترین جنگ وخوں ریزی کی اجازت شریعت اسلامیہ نہیں دیتی، ایک دوسروں کی مساجد، ادارے اور اہم مذہبی شخصیات کی توہین وقتل، اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا، اس لیے عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں شیعہ سنی آویزش کو ختم کرنے اور بقاء باہم کے اصول کی روشنی میں میثاق مدینہ کو سامنے رکھ کر صلح وآشتی کا معاہدہ کرنا چاہیے، اس معاملہ میں اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی اپنے حلقہ اثر میں کام کی استطاعت کے اعتبار سے الگ الگ ذمہ داری ہے، علماء امن وآشتی کی راہ ہموار کرنے میں کلیدی رول ادا کریں اور عوام اپنے جذبۂ سمع وطاعت سے اس مہم کو کامیابی سے ہم کنار کریں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، جن ملکوں میں سنی اور شیعہ کی مشترک آبادیاں ہیں، وہ اپنے اپنے مسلک ومذہب پر عمل کریں اور بقاء باہم کے اصول پر کوئی معاہدہ کر لیں، شریعت نے پڑوسیوں، ضعفاء اور انسانوں کو جو حقوق بحیثیت انسان عطا کیا ہے، اس کا پاس ولحاظ رکھیں تو باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکا جا سکتا ہے؛ چونکہ مختلف ملکوں کے احوال الگ الگ ہیں، اس لیے وہاں کے احوال کے واقفین علماء ومذہبی پیشواؤں کو اصول وآداب بنانے چاہیے، دراصل علماء کے اختلاف کا ہی یہ سب شاخسانہ ہے، عوام پہلے بھی علماء کی مانتی تھی اور اب بھی ماننے کو تیار ہے؛ حضرت امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امت کا اتحاد علماء کے اتحاد پر موقوف ہے، علماء اور مذہبی پیشوا جب تک کسی بات پر اور کسی معاہدہ پر متفق نہیں ہوں گے، یہ سلسلہ دراز ہوتا ہی رہے گا، یہ سارے معاملات اور چپقلش کی وجہ یہ ہے کہ اب لوگوں نے ''بقاء باہم'' کے بجائے ''تنازع للبقاء'' کو محور ومرکز مان لیا ہے، اسی لیے ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جانا چاہتی ہے اور اپنے خلاف قوتوں سے مزاحم ہو کر اپنے وجود کو مستحکم رکھنے کے لیے کوشاں ہیں، اس لیے علماء کو عوام کے ذہن سے یہ بات نکال کر بقاء باہم کی اہمیت اجاگر کرنی ہوگی اور بتانا ہوگا کہ جنگ تو خود ایک مسئلہ ہے، یہ مسئلہ کا حل کیا نکالے گی، خون کسی کا بہے، نسل انسانی کا خون ہے آخر، سب کو سمجھانا ہوگا تبھی مختلف مذاہب اور مسلک کے لوگ پرامن زندگی گذار سکیں گے؛ ورنہ برتری اور قبضہ کی جنگ میں سب کچھ خاکستر ہوتا چلا جائے گا، اس کا مطلب حق کے لیے جہاد سے انکار نہیں ہے، جہاد کے جو شرائط شریعت میں مذکور ہیں اس کی ان دیکھی کر کے لڑی جانے والی جنگ کو جہاد قرار دینا شرعی طور پر صحیح نہیں ہے، اس لیے اختلاف رائے کے باوجود ہم سب کو ایک امت بن کر رہنا ہے۔

وحدت امت اور اختلاف رائے بڑا احساس اور سلگتا ہوا موضوع ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے پچیسویں سیمینار منعقدہ بدر پور آسام میں بڑے اہم فیصلے لئے؛ تاکہ امت کے اندر اتحاد پیدا کیا جا سکے اور فروعی مسائل میں الجھنے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے کے بجائے وحدت امت کے اسلامی تصور کو عام کیا جائے اور مختلف طبقات سے گذارش کی جائے کہ وہ اس حقیقت کو مان کر چلیں کہ مسلک عمل کے لئے ہے اور دین اسلام دعوت وتبلیغ کے لئے اپنے مفادات اور تحفظات کے لئے اتحاد امت کو پارہ پارہ کرنا ناقابل تلافی جرم ہے۔

Scanned with CamScanner

اللہ کی باتیں ـــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

حالات کے اتار چڑھاؤ سے شکستہ دل نہ ہوں!

اے مسلمانو! تم نہ ہمت ہارو، اور نہ غم کھاؤ، اگر تم ایمان رکھتے ہو تو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم کو زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور ہم لوگوں کے درمیان دنوں کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (سورہ آل عمران: ۱۴۰)

وضاحت: انسانی تاریخ عروج وزوال کی تاریخ سے لبریز ہے، تاریخ شاہد ہے کہ قوموں اور ملتوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں بڑے بڑے انقلابات آئے، حکومت وسلطنت اور تخت وتاج کے مالک دنیا سے نیست ونابود ہو گئے، اہل چین اپنے بادشاہ کو شہنشاہ فرزند آسماں کہا کرتے تھے، دنیا نے دیکھ لیا کہ ان کی حکومت کا تختہ کیسے الٹ دیا گیا، شہنشاہیت کا شیرازہ کیسے منتشر ہو گیا اور بادشاہ کا کبر وغرور ٹوٹا، حکومت بدلی، قانون ونظام بدلا، اس میں ناز ونعم کی جھولوں میں جھولنے والا اور عشرت کدہ کے نرم وگداز گدوں پر لوٹ پوٹ کرنے والوں کے لیے درس عبرت ہے، انہیں مال ودولت اور جاہ ومنصب راہ ہدایت سے گمراہ نہ کردے، اس لیے عروج وزوال یہ ایک خدائی قانون ہے، انسانوں کو گذشتہ اقوام کی عبرت ناک داستان سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنے اندر اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حالات کے اتار چڑھاؤ سے کبھی بھی شکستہ دل نہ ہوں، ہمت ہار کر بیٹھ جانا نہ دانشوری ہے اور نہ ہی غم زدہ ہونا عقلمندی ہے، اس لیے مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں شریک جانثار صحابہ کو تسلی دی کہ مصیبتوں اور پریشانیوں میں غمگین ہو کر بیٹھ جانا، مومنانہ شان کے خلاف ہے، اس سے پست ہمت نہ ہوں اس لیے کہ اللہ کی طرف سے زمانہ اور احوال کی الٹ پھیر ہے، غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کی اس سے بڑھ کر شکست ہو چکی ہے، جب باطل شکست کھا کر پھر عارضی فتح حاصل کر سکتا ہے، تو اہل حق کیوں گھبرائیں، یہ اللہ کی سنت ہے کہ انجام کار اہل ایمان ہی کو غلبہ حاصل ہوگا، ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنی تفسیر "آسان تفسیر قرآن مجید" میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی پانچ حکمتیں ذکر فرمائی ہیں۔

اول یہ کہ خدا کا نظام ہی فتح وشکست سے دوچار کرنا ہے، ورنہ اگر ایک قوم ہمیشہ غالب ہی رہے تو فرعون بن جائے، اسی کو قرآن کریم نے تداول ایام سے تعبیر کیا ہے، دوسرے اس سے مخلص اور آپ کے مومن کا امتحان بھی مقصود تھا، تیسری مصلحت یہ تھی کہ کچھ مسلمان مقام شہادت پر فائز ہوں گے، چوتھے مسلمانوں کا تزکیہ نفس مقصود تھا، کیونکہ مصیبت وآزمائش کی بھٹی سے گزر کر انسان کا تزکیہ ہوتا ہے، پانچویں مصلحت مشرکین مکہ کو مغلوب کرنا تھا، کیونکہ غزوہ احد کے وقتی غلبہ نے ان کی ہمت بڑھا دی، اس لئے پھر وہ مقابلہ پر آ گئے اور اللہ نے ان کو مٹا کر رکھ دیا، جیسا کہ بعد میں ہوا (ص ۲۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ دن ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، زمانہ یونہی ادلتا بدلتا رہتا ہے، گردش ایام سے نہ تو پریشان ہونا چاہیے اور نہ غم زدہ، بس ہمت وحوصلہ سے زندگی گزاریئے، اور پورے عزم کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہئے۔

ایک زمانہ ایسا آئے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں آدمی کو یہ پرواہ نہیں ہوگی کہ جو کچھ وہ لیتا ہے، آیا یہ حلال ہے یا حرام۔ (صحیح بخاری شریف)

مطلب: اس وقت ہمارے معاشرے سے اخلاقی قدریں مٹتی جارہی ہیں، مکر وفریب، دھوکہ دھڑی، اور بے مروتی کا طوفان ہمارے گرد وپیش برپا ہے، مال ودولت کو جمع کرنے کی ایک ہوڑ سی لگی ہوئی ہے، جس میں حلال وحرام، جائز وناجائز، اور مال طیب وخبیث کی تمیز تک ختم ہو رہی ہے، طبیعت میں حرص وطمع اس قدر پروان چڑھ چکی ہے کہ حریص طبیعت کا انسان صرف دوسرے کی کمائی اور مال پر للچائی ہوئی نگاہ رکھتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ وہ سب کا سب اسی کو مل جائے، سود خواروں کو دیکھئے کہ وہ دن ورات دوسروں کے مال ودولت کو چھینے اور اپنی دولت کو ناجائز طریقوں سے بڑھانے میں ایسے مشغول رکھتے ہیں کہ انہیں کار خیر کا خیال تک نہیں رہتا ہے، اسلام نے ایسی آرزو کی ممانعت کی کیونکہ اس میں کئی طرح کی بداخلاقیاں شامل ہیں، ایک بخل اور دوسری حسد ہے، قرآن مجید میں رب کائنات کا ارشاد ہے کہ اس کی ہوس نہ کرو، جس میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے، مردوں کے لیے ان کی کمائی ہے اور عورتوں کے لیے ان کی اور اللہ سے مانگو اس کے فضل میں سے حصہ، بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے، دنیا میں ایسے بھی تاجر پیشہ لوگ ہیں جو ناپ تول میں بے ایمانی کرتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے فائدہ پہونچے گا، لیکن ان کی اس بے ایمانی اور دھوکہ دھڑی سے خیر وبرکت ختم ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات اس کا مال ضائع ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنے کئے پر کف افسوس کرتا ہے، اس لیے اس حدیث نے ہمارے سامنے ایک آئینہ پیش کیا ہے جس میں دور حاضر کی خود رائی اور حرص وطمع کی تصویر کشی کی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی جو کچھ بھی کھا پی رہا ہے اس کو اس پر غور کرنے کا بھی موقعہ نہیں ملے گا کہ وہ حلال کھا رہا ہے یا حرام، چنانچہ ہم سب کو اس صاف وشفاف آئینہ میں اپنی تصویر دیکھنی چاہیے، اور چہرے کے دھندلے کو صاف کرنا چاہئے، کیا ہم حرص وطمع میں اس قدر غرق تو نہیں ہو گئے ہیں کہ پاکیزہ مال کی برکت سے محروم ہوتے جارہے ہیں، ہم جو کچھ کھا پی رہے ہیں وہ کن راہوں سے ہم کو حاصل ہو رہا ہے کیونکہ حلال وطیب مال سے دل میں روحانیت ونورانیت پیدا ہوتی ہے، اور اس غذا سے پلا ہوا جسم گوشت وپوست ہی خیر وبرکت کا باعث ہو سکتا ہے اس لیے ہر مومن بندہ کو حرام لقمہ سے بچنا چاہیے اور رزق حلال کے لیے محبت کرنی چاہئے، تاکہ ہماری دعاؤں میں قوت وتاثیر پیدا ہو اور زندگی ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن رہے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

س: میت کے گھر والوں کے لیے کھانا بھیجنا:۔ کسی کے یہاں میت ہو جائے تو اس کے گھر کھانا بھیجنے سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے ہمارے یہاں عام طور سے ایسے موقع پر بھی تقریب شادی والا کھانا کھلایا جاتا ہے، نیز اس کھانے میں میت کے گھر والوں اور دور سے آئے ہوئے مہمانوں کے علاوہ میت کے تقریباً سارے رشتہ دار اور خاندان کے سارے افراد مرد وخواتین اور بچے شریک ہوتے ہیں، حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا گھر اسی محلہ یا قریب کے محلہ میں ہوتا ہے اور وہ اپنے گھر جا کر کھانا کھا سکتے ہیں، ظاہر ہے ایسی صورت حال میں کھانا بنوانے والے کو کافی پریشانی ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس طرح کی بدنظمیوں سے بچنے کے لیے اہل خانہ اگر خود ہی کھانے کا نظم کرلیں تو درست ہے یا نہیں؟ مشہور یہ ہے کہ تین دنوں تک میت کے گھر چولہا نہیں جلے گا، یہ کہاں تک درست ہے؟

ج: کسی کے گھر کوئی میت ہو جائے تو چونکہ یہ بڑا حادثہ ہوتا ہے، جس کا غم اہل خانہ کو یقینی طور پر ہوتا ہے، اس غم وحزن اور میت کی تجہیز وتکفین میں مصروفیت کی وجہ سے انہیں کھانا پکانے کا موقع نہیں ملتا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو ہدایت دی ہے، اور خود ان کا اخلاقی فریضہ بھی ہے کہ اہل میت کے گھر کھانا بھیجیں تاکہ وہ اور ان کی تعزیت کے لیے دور دراز سے آنے والے مہمان کھانا کھا سکیں۔

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال لماجاء نعی جعفر رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لأهل جعفر طعاماً فإنه قد جائهم مایشغلهم (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن ۱/۱۹۵/باب ماجاء فی الطعام یصنع لأهل المیت)

اسی حدیث کی بنا پر حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ میت کے اہل خانہ کے لیے ایک شب وروز کھانا بھیجنا مستحب ہے، "**ویستحب لجیران أهل المیت والأقرباء الا باعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلهم لقوله صلی اللہ علیہ وسلم :اصنعوا الأهل جعفر طعاماً فإنه قد جائهم مایشغلهم(شامی ۳/۱۴۸ مطلب فی الثواب علی المصیبة)**

۲:۔ چونکہ یہ موقع غم کا ہوتا ہے اس لیے اس مناسبت سے ادنیٰ یا متوسط قسم کا کھانا جو عام دنوں میں کھایا جاتا ہے بنایا جائے، اعلیٰ درجہ کا پرتکلف کھانا جو فرحت ومسرت کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے سے پرہیز کیا جائے، "**ومن البدع المکروهة مایفعل الان من ذبح الذبائح عند خروج المیت من البیت أو عندالقبر واعدادالطعام لمن یجتمع للتعزیة کمایفعل فی الافراح ومحافل السرور (الفقه علی المذاهب الأربعة ۱/۴۳۴)**

۳:۔ میت کے وہ رشتہ دار جن کا رشتہ کچھ دور کا ہے اور ان کا گھر قریب میں ہے، انہیں چاہیے کہ اپنے اپنے گھر کھانا کھائیں، میت کے خاندان کے سارے افراد اور سارے رشتہ داروں کے کھانے کا بوجھ کھانا بنانے والے پر ڈالنا اور ان کو خواہ مخواہ پریشانی میں مبتلا کرنا صحیح نہیں ہے یہ ایک غلط رسم ہے جس سے پرہیز ضروری ہے، میت کی تدفین کے بعد سارے لوگوں کو اپنے اپنے کاموں میں لگنا چاہیے، میت کے گھر پڑے رہنا بہتر اور مناسب نہیں ہے۔

"**یکره الإجتماع عند صاحب البیت ویکره الجلوس فی بیته حتیٰ یأتی إلیه من یعزی بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشغل الناس بأمورهم وصاحب البیت بامره(ردالمحتار ۳/۱۴۹/باب صلوٰۃ الجنائز)**

۴:۔ اگر اہل خانہ خود کھانا بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں، شرعاً جائز ودرست ہے، یہ کہنا کہ تین دنوں تک میت کے گھر چولہا نہیں جلایا جا سکتا شرعاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کا ثبوت کتاب وسنت سے نہیں ہے، "**فإن دعت الحاجة إلی ذلک جاز فإنه ربماجاء هم من یحضر منهم القری والاماکن البعیدة ویبیت عندهم (المغنی لابن قدامة ۲/۴۱۳)**

س: کسی کے یہاں میت ہو جائے تو تیسرے دن اہل خانہ پرتکلف دعوت کرتے ہیں جس میں قرآن خوانی کا اہتمام ہوتا ہے، برادری وغیر برادری سبھوں کو دعوت دی جاتی ہے، رشتہ کی کچھ خواتین اس دعوت تک رکی رہتی ہیں، انہیں رخصت کرتے وقت لازمی طور پر کپڑا دیا جاتا ہے شرعاً اس طرح کا عمل کیسا ہے؟

ج: کسی کی وفات پر تیسرے دن مروجہ قرآن خوانی کا اہتمام جس میں برادری وغیر برادری کے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور ان کے لیے پرتکلف کھانا تیار کیا جاتا ہے، اسی طرح خواتین کو رخصت کرتے وقت کپڑے کا التزام یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کا ثبوت کتاب وسنت، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین سے نہیں ہے، یہ سب غلط رسم و رواج ہیں، جن سے احتراز لازم وضروری ہے، کیونکہ عام طور سے یہ چیزیں میت کی متروکہ جائداد سے تقسیم میراث سے قبل انجام دی جاتی ہیں، جبکہ میت کے وارثین میں عموماً نابالغ بھی ہوتے ہیں اور نابالغ کا مال کھانا شرعاً حرام ہے نیز اس میں مقصود یا تو فخر ومباہات اور ریا ونمود ہوتا ہے یا پھر سماج کے لعن طعن کا خوف جس کی وجہ سے امیر وغریب سب کو یہ رسمیں مجبوراً کرنی پڑتی ہیں، جس کے لیے بعض دفعہ کافی قرض بھی لینا پڑ جاتا ہے اور ایسی بھی نوبت آتی ہے کہ میت کے اہل خانہ اگر غریب ہو تو اپنے مرحوم کے جانے کا جتنا غم اور جتنی فکر انہیں نہیں ستاتی اس سے کہیں زیادہ اس غلط رسم ورواج کی فکر ستاتی ہے کہ برادری کو کھلائیں کہاں سے اور خواتین کو کپڑے دیں کہاں سے، لہٰذا اس طرح کے رسم ورواج سے بچنا اور دوسروں کو بچانا نہایت ضروری ہے۔

"**ویکره اتخاذ الضیافة من أهل المیت لأنه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة ......وفی البزازیه ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعدالاسبوع..وهذه الافعال کلهاللسمعة والریاء فیحترزعنها لأنهم لایریدون بها وجه اللہ تعالیٰ ......ولا سیما إذا کان فی الورثة صغار أو غائب وما کان کذٰلک فلا شک فی حرمته......ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم.(ردالمحتار ۳/۱۴۸/مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت)فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ و جھارکھنڈ کا ترجمان

نقیب

ہفتہ وار پھلواری شریف پٹنہ

پھلواری شریف

جلد نمبر 61/71 شمارہ نمبر 24 مورخہ ۳ر ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۲۰۲۱ء روز سوموار

بہتر معاشرہ کی تشکیل

ایک بہتر معاشرہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ قول وعمل میں تضاد نہ ہو، قول کا تعلق زبان وآواز، لب ولہجہ سے ہے، جبکہ عمل کا تعلق کردار، کیرکٹر، خدا اور بندوں کے درمیان تعلقات اور مخلوقات کے ساتھ سلوک سے ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے دونوں کے سلسلے میں واضح ہدایات دی ہیں، یقیناً ان ہدایات کا خاص پس منظر اور شان نزول ہے، لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس اعتبار سے یہ عام ہیں، اور مسلمان ان ہدایت واحکام کو اپنی زندگی میں اتارنے کا پابند ہے، شریعت اسی کا مطالبہ کرتی ہے، رہ گئے غیر مسلم تو ان کی زندگی اور آپسی معاملات ومسائل اور معاشرہ کی بہتری انہیں امور پر عمل کرنے میں ہے، لیکن ان سے پہلے مطالبہ ایمان کا ہے، پھر احکام خداوندی پر عمل کا۔

قول کے سلسلے میں جو الٰہی احکامات ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نرمی سے بات کیا کرو، آہستہ بولا کرو، اپنی آواز نیچی رکھو، سچ میں جھوٹ کی آمیزش نہ کرو، غیبت سے بچو، چغلی نہ کھاؤ، لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ اللہ کی طرف بلاؤ گفتگو کے دوران بدتمیزی نہ کیا کرو، دوسروں کا مذاق نہ اڑاؤ، والدین کو اف تک نہ کہو، یہ چند احکام ہیں، جن پر عمل کر کے ہم بہتر معاشرہ کی تشکیل بھی کر سکتے ہیں اور سماج کو جنگ وجدال سے پاک بھی بنا سکتے ہیں، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، بعض روایتوں میں مسلمان کی جگہ "الناس" یعنی انسانوں کے تحفظ کی بات کہی گئی ہے۔

عمل کے باب میں جو باتیں کہی گئی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہے کہ غصہ کو قابو میں رکھو، دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو، تکبر سے اجتناب کرو، دوسروں کی غلطیاں معاف کردو، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے، کسی کا مذاق نہ اڑاؤ، والدین کی خدمت کیا کرو، بغیر اجازت کسی کے کمرے میں داخل نہ ہوا کرو، لین دین کا حساب لکھ لیا کرو، قرض کی ادائیگی میں مقروض کو سہولت دو، سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، وعدہ خلافی مت کرو، دوسروں پر اعتماد کا مزاج بناؤ، انصاف قائم کیا کرو اور اس کے لیے مضبوطی سے کھڑے ہو جایا کرو، چاہے وہ خود تمہارے نیز والدین، اعزواقربا کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اپنی نگاہیں نیچی رکھا کرو، خواتین کو وراثت میں حصہ دیا کرو، یتیموں کی جائیداد پر قبضہ نہ کرو، ان کے مال کی حفاظت کرو، انہیں بلا ضرورت خرچ نہ کرو، لوگوں کے درمیان صلح کرادو، بدگمانی سے بچو؛ کیوں کہ ان میں سے بعض گناہ تک پہونچا دیتی ہیں، خیرات وزکوٰۃ کی ادائیگی پر توجہ دو، نمازیں پڑھا کرو، زنا کے قریب مت جاؤ، کھلانے کے ڈر سے بچوں کو قتل نہ کرو، ضرورت مندوں کی مدد کرو، فضول خرچی نہ کرو، احسان کر کے جتلایا نہ کرو، جو کہو اس پر خود بھی عمل کرو، زمین پر بُرائی نہ پھیلاؤ، جنگ کے دوران بھی جنگ کے آداب کا خیال رکھو، جو تم سے لڑنے نہ آوے اس سے مت لڑو، البتہ جنگ کے دوران پیٹھ دکھا کر مت بھاگو، دین میں جبر واکراہ نہیں ہے، جنسی بدکاری سے بچو، حیض کے دنوں میں عورتوں سے قربت اختیار نہ کرو، اہل لوگوں کو عہدے ومناصب دو، فیصلے انصاف کے ساتھ کیا کرو، حسد، بخل، قتل وغارت گری، فساد فی الارض، فریب ودھوکہ دہی سے دور رہو، نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون بنو اور برے کاموں میں کسی کا ساتھ نہ دو، مردار جانور، خون، سور کا گوشت نہ کھاؤ، شراب مت پیو، جوا مت کھیلو، ہیرا پھیری سے باز آؤ، پاک صاف رہا کرو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، توبہ استغفار کی کثرت کرو، اللہ گناہ معاف کر دے گا، جو بات نہیں جانتے اس پر خواہ مخواہ بحث نہ کرو، زمین پر اکڑ کر نہ چلو تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے اور پہاڑ کی بلندیوں کو چھو نہیں سکتے، اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، فیصلے مشورہ لے کر کیا کرو، غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کو روا رکھو، مانگنے والوں کو مت جھڑکو، ان کی ضروریات کا خیال رکھو۔

قول وعمل کے سلسلے میں ارشادات واحکامات اور بھی ہیں، یقیناً سب اہم ہیں، ان چند چیزوں کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ سماج ومعاشرہ کو صالح رخ پر لے جانے کے لیے ان پر عمل کی زیادہ ضرورت ہے، اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہو جائے تو زندگی میں صلاحیت صالحیت کے ساتھ آگے بڑھنے لگتی ہے اور دوسرے احکام وہدایات پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسے صرف پڑھ کر مت گذر جائیے، ایک ایک بات پر عمل کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کی زندگی میں بڑی خوش گوار تبدیلی آگئی ہے، اس تبدیلی کے نتیجے میں آپ کی زندگی بھی پرسکون ہوگی اور بہترین معاشرہ وجود میں آجائے گا، اصلاح معاشرہ کے لیے کی جانے والی کوشش کا حاصل یہی تو ہے۔

بلیک فنگس

ابھی کورونا کی وحشت اور دہشت سے ہندوستانی باشندے نکلے بھی نہیں ہیں کہ بلیک فنگس نے انسانوں کو موت کی نیند سلانے، آنکھ اور جبڑے تک کو برباد کرنے کی نئی دہشت میں مبتلا کر دیا ہے، یہ وبا ان لوگوں کو آسانی سے اپنا شکار بنا رہی ہے، جن کے جسم کا مدافعاتی نظام کمزور ہے، کووڈ-۱۹، اور شکر کے مریضوں پر یہ آسانی سے قابو پالیتا ہے؛ کیوں کہ ان لوگوں کے جسم کی دفاعی قوت کمزور ہوتی ہے، اس کا وائرس سانس کے ذریعہ جسم تک پہونچتا ہے، اور ناک اور آنکھوں کے گرد تیزی سے پھیلنے لگتا ہے، جس سے ناک اور آنکھ کے گرد کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے، پھر یہ دماغ کو متاثر کرتا ہے، اس کے علاج کے جو طریقے ابھی رائج ہیں ان میں متاثرہ اعضاء کو آپریشن کر کے نکالنا ہوتا ہے، یہ اعضاء آنکھ بھی ہو سکتے ہیں، اور جبڑے وغیرہ بھی، اس مرض کے تیزی سے پھیلنے کی وجہ سے ملک کی چھ ریاستوں تامل ناڈو، اڈیشہ، گجرات، راجستھان، تلنگانہ اور بہار نے اسے وباء عام قرار دے دیا ہے، اگر یہ مرض اس طرح بڑھتا رہا تو دوسری ریاستوں کو بھی اس کے لیے اقدام کرنے ہوں گے۔

ریاستی اعتبار سے جو اعداد وشمار اس مرض اور اس نتیجے میں ہلاکتوں کے دستیاب ہیں ان میں مہاراشٹرا میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مریض پائے گئے، اور ۹۰ ۷ نے اس مرض میں جان گنوائی، دہلی کے اسپتالوں میں بھی روزانہ پندرہ سے بیس مریض بلیک فنگس کے آرہے ہیں، یوپی کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ایک ہزار سے زائد لوگ اس مرض میں مبتلا ہوئے، جن میں سے چوّن (۵۴) نے اپنی آنکھیں اور اسی (۸۰) افراد نے جانیں گوائیں، بہار میں بلیک فنگس کے ساتھ وھائٹ فنگس کے مریض بھی مل رہے ہیں، وھائٹ فنگس کے اثرات پھیپھڑوں، چمڑے، ناخن، منہ کے اندرونی حصے، آنت، کڈنی، اعضاء مخصوصہ اور دماغ پر بھی پڑ رہے ہیں، اور ٹسٹ سے بہت آسانی سے یہ پکڑ میں بھی نہیں آتے ہیں۔ بہار میں اب تک چار سو سے زیادہ مریض مل چکے ہیں، جن میں سے اناسی کی موت ہو چکی ہے، ہندوستان ٹائمز نے لکھا ہے کہ حکومت کی طرف سے عدالت میں جو اعداد وشمار پیش کیے گئے ہیں، اس کے مطابق ہندوستان میں بلیک فنگس سے متاثرہ افراد سات ہزار سے زائد ہیں، فنگس کے معنی پھپھوندی کے آتے ہیں، اس کا میڈیکل نام مکرومائی کوسس ہے، یہ مٹی کی نمی، سڑے ہوئے پتے، پودے، پھل، سبزی، ماسک کی نمی اور آکسیجن ٹینکوں میں گندے پانی کے ذریعہ بھی پھیلتا ہے، امریکن منسٹر فار ڈیزز کنٹرول اینڈ پریونشن (CDC) کے مطابق اس سے اموات کی شرح چوّن فی صد ہے، البتہ اچھی بات یہ ہے کہ یہ متعدی نہیں ہے۔

مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے اس مرض سے نمٹنے کے بلند بانگ دعووں کے باوجود اس مرض میں استعمال ہونے والی دواؤں کی قلت ہے، اس مرض کے لیے جو انجکشن لگائے جاتے ہیں، اسے لائی پوسول امفے ٹریسم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی قیمت چار ہزار روپے ہے، جب کہ بلیک مارکیٹ میں یہ منہ مانگے داموں پر فروخت ہو رہی ہے، یہ انجکشن آٹھ ہفتوں تک ہر روز لگانا پڑتا ہے اور یہی سب سے زیادہ مؤثر علاج ہے۔

گرتی معیشت

معاشی اعتبار سے ہندوستان گذشتہ چالیس سالوں میں سب سے بڑی گراوٹ کے دور سے گذر رہا ہے، اس کی مجموعی گھریلو پیداوار میں ۲۱-۲۰۲۰ء میں ۳ء۷ر فی صد کی گراوٹ درج کی گئی ہے، اس کے پہلے ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۲ء۵ر فیصد کی گراوٹ درج ہوئی تھی، اس وقت جنتا پارٹی کی حکومت مرکز میں تھی، خشک سالی اور خام تیل کی قیمت میں غیر معمولی اضافہ کی وجہ سے اس وقت یہ کمی آئی تھی، اِس وقت بظاہر لاک ڈاؤن میں کاروبار بند ہونے کی وجہ سے یہ نوبت آگئی ہے، اس گراوٹ کے بعد بھی ماہرین کا کہنا ہے کہ اندازہ آٹھ فی صد گراوٹ کا تھا، لیکن اس سے کم پر گراوٹ رک گئی، مرکزی حکومت یہ سوچ کر اپنی پیٹھ تھپتھپا رہی ہے، این ایس آر کے ذریعہ جو اعداد وشمار سامنے آئے ہیں اس کے مطابق ۲۱-۲۰ء کی پہلی سہ ماہی جنوری تا مارچ جی ڈی پی (گراس ڈومیسٹک پروڈکٹ) میں تین فی صد کا اضافہ ہوا تھا۔

موجودہ صورت حال کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ گذشتہ مالی سال میں ریونیو خسارہ ۷ء۴ فی صد تھا اور ملکی خزانہ کا خسارہ اٹھارہ لاکھ اکیس ہزار چار سو اکسٹھ کروڑ تھا، فی صد میں دیکھیں تو یہ خسارہ ۹ء۳ر فی صد ہے، سرکار کو اندازہ تھا کہ ۲۱-۲۰۲۰ء میں جی ڈی پی ۳ء۵ر فیصد رہے گی لیکن کووڈ-۱۹، اور ریونیو وصولی میں کمی کے پیش نظر ۲۱-۲۰۲۰ کے بجٹ میں اس خسارہ کے تخمینہ کو بڑھا کر ۹ء۵ فی صد یعنی اٹھارہ لاکھ اڑتالیس ہزار چھ سو چھپن کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔

یہاں جی ڈی پی کی حقیقت کو بھی جان لینا چاہیے یہ دراصل پورے سال میں ملکی پیداوار اور اقتصادی ترقی کے ناپنے کا ایک پیمانہ ہے، زیادہ جی ڈی پی کا مطلب ہے کہ ملک معاشی اعتبار سے آگے بڑھ رہا ہے، اور اگر جی ڈی پی کی شرح نمو کم ہے تو مطلب ہے کہ ملک کی معیشت میں گراوٹ آرہی ہے، اس پیمانے سے مختلف سکٹر کی ترقیات اور پس ماندگی کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس بار جی ڈی پی میں جو گراوٹ درج کی گئی ایسا گذشتہ چالیس سال میں نہیں ہوا تھا، اس سے لگتا ہے کہ حکومت کی معاشی پالیسی اچھی نہیں ہے، جس کی وجہ سے مجموعی گھریلو پیداوار میں کمی آتی جا رہی ہے، ابھی شرح نمو صرف ۱ء۶ر فی صد ہے اور ہم مطمئن ہیں کہ یہ ہمارے لگائے ہوئے اندازے سے بہتر ہے۔

بی پی ایس سی کا نتیجہ امتحان

چار سال کے طویل انتظار کے بعد بی پی ایس سی کے چونسٹھویں امتحان کا نتیجہ سامنے آگیا ہے، جس میں چودہ سو چون امیدوار کامیاب ہوئے ہیں، اس بار کے ٹاپر اوم پرکاش گپتا ہیں، جو چھوٹے کرانہ دوکان کے مالک کا لڑکا ہیں، ایک سو ایک مسلم امیدار نے بھی اپنی کامیابی کی درج کرائی ہے، جن میں انچاس (۴۹) حج بھون سے کوچنگ کر کے منزل مقصود تک پہونچ پائے، حج بھون میں کوچنگ کر کے ایک لڑکی رضیہ سلطانہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی، ہم تمام کامیاب امیدواروں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور حج کمیٹی اور اقلیتی فلاح کی خدمت کو سراہتے ہیں، جس کی وجہ سے اتنی بڑی تعداد میں طلبہ کامیابی سے ہم کنار ہو سکے؛ البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا کوئی امیدوار ایک سے دس تک تو کیا بیس تک میں اپنی جگہ نہیں بنا سکا۔

مسلم تنظیمیں بشمول امارت شرعیہ کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی آبادی کے اعتبار سے سول اور پولیس خدمات میں تقرری عمل میں آنی چاہیے، بدقسمتی سے اس تناسب سے ہمارے بچے کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں، اس بار بھی جو کامیابی کا تناسب ہے وہ صرف ۶ء۸۸ فی صد ہے، جب کہ ایک سروے کے مطابق بہار میں مسلم آبادی کا تناسب ۱۶ء۸۶ فی صد ہے، ظاہر ہے اس قدر کم کامیابی کے بعد تقرری پندرہ بیس فی صد کی نہیں ہو سکتی، اس لیے ہمارے طلباء وطالبات کو اپنی محنت کا دائرہ بڑھانے کی ضرورت ہے، ہمارے بچوں کو یہ سوچنا چاہیے اور تجزیہ کرنا چاہیے کہ آخر کمی کہاں رہ گئی، جس کی وجہ سے ہم کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکے، ہمیں یہ مان کر چلنا چاہیے کہ ملک کے موجودہ حالات میں جب ہم دوسروں پر نمایاں سبقت اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے نہیں لے جائیں گے، ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے، ایسے میں اگر دوسرا سو فی صد صلاحیت لے کر جا رہا ہے تو ہمیں محنت کر کے اپنی صلاحیتوں کو پچانوے فی صد تک پہونچانا چاہیے تاکہ ہم برادران وطن سے ان مقابلہ جاتی امتحانات میں آگے بڑھ سکیں۔

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ

✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا نذر الحفیظ ندویؒ - ابھی مجال سخن نہیں ہے

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مؤقر استاذ؛ بلکہ استاذ الاساتذہ، امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ، جھارکھنڈ کی مجلس شوریٰ وارباب حل وعقد کے رکن، عربی اور اردو زبان کے نامور مصنف، پندرہ روزہ تعمیر حیات کے سابق مدیر مسؤل حضرت مولانا نذر الحفیظ ندوی بن قاری عبد الحفیظ (ولادت ۱۹۳۹ء) آبائی وطن ململ ضلع مدھوبنی کا ۲۸/ مئی ۲۰۲۱ء مطابق ۱۵/ شوال ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے دن انتقال ہوگیا، ضعف ونقاہت اور مختلف امراض کے شکار تو وہ پہلے ہی سے تھے، ان کی طبیعت انتقال سے صرف آدھ گھنٹے پہلے زیادہ بگڑی، فوری اسپتال لے جایا گیا؛ لیکن قضاء وقدر نے اپنا کام کرڈالا، ان کی عمر بیاسی (۸۲) برس تھی، جنازہ حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے پڑھائی اور تدفین بعد نماز عشاء ڈالی گنج لکھنؤ کے قبرستان میں ہوئی، اس طرح علم وفضل کا ایک اور آفتاب غروب ہوگیا، مولانا حمزہ حسنی ندوی، مولانا شاکری رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد علمی دنیا کا عموماً اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا خصوصاً یہ بڑا نقصان ہے، جس کی تلافی مستقبل قریب میں ہوتی نظر نہیں آتی، اللہ رب العزت غیب سے تلافی مافات کی کوئی شکل پیدا کردیں تو دوسری بات ہے۔

مولانا نذر الحفیظ ندوی کی ابتدائی تعلیم ان کے والد گرامی قدر قاری عبد الحفیظ صاحب کے ذریعہ ہوئی، قاری صاحب اردو کے بہترین شاعر تھے، ان کا مجموعہ کلام مولانا کی نگرانی میں طبع ہوکر معروف ومقبول ہے، والد صاحب سے ہی انہوں نے حفظ قرآن کی تکمیل مدرسہ کافیۃ العلوم پرتاب گڑھ یوپی سے کیا، مولانا کے والد اس مدرسہ کے مہتمم تھے، فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے چچا محمد عاقل سے پائی، ۱۹۵۵ء میں وہ ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور ابتدائی عربی سے فضیلت تک کی تعلیم یہیں سے حاصل کی، اکابر اساتذہ خصوصاً مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی توجہ کا مرکز رہے، وہ حضرت مولانا کے مرید خاص اور معتمد تھے، فراغت کے بعد ایک سال جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں پڑھایا اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کے کام سے لگ گئے، ۱۹۶۴ء میں اس منصب پر تقرری عمل میں آئی اور پورے دس سال انتہائی دلجمعی سے اس خدمت کو انجام دینے کے بعد ۱۹۷۵ء میں مصر چلے گئے، جہاں عین شمس یونیورسٹی سے ایم اے اور جامعہ ازہر مصر سے عربی تنقید کے حوالہ سے اہم مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۸۲ء میں مصر سے واپسی کے بعد پھر سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ مقرر ہوئے اور تازندگی مادر علمی کی خدمت انجام دیتے رہے، اس درمیان ایک زمانہ میں وہ تعمیر حیات کے مدیر مسؤل رہے، ان کی سب سے مشہور کتاب "مغربی میڈیا اور اس کے اثرات" ہے، جس کا انگریزی، عربی، ملیالم، ہندی، اور بنگالی زبان میں ترجمہ ہوچکا ہے، عرب دنیا میں اہل علم کے نزدیک یہ کتاب کافی معروف ومقبول ہے، ان کی عربی زبان میں بھی دو اہم کتابیں ہیں "الزمخشری کاتبا و شاعرا" یہ آپ کا ام اے کا سندی مقالہ ہے، اور "ابو الحسن علی ندوی کاتبا و مفکرا" یہ دوسری کتاب ہے مولانا دونوں زبانوں میں مہارت رکھتے تھے اس لیے ان کی کتابوں کا اسلوب دل پزیر ہے، سادہ، شگفتہ نثر میں جو کچھ انہوں نے لکھ دیا ہے وہ ان کے وسیع المطالعہ ہونے کی واضح اور بین دلیل ہے،

مصر کے زمانہ قیام میں آپ کی وابستگی قاہرہ ریڈیو سے بھی رہی، جس نے آپ کی صحافتی مہارت اور نظریاتی تشکیل میں اہم رول ادا کیا۔ کتابوں کے علاوہ مولانا کے بہت سارے مضامین ومقالات ہیں جو مختلف سیمناروں میں پڑھے گئے اور مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہوئے، ان کو یک جا کرکے کتابی شکل دینا اور اہل علم کے استفادے کے لئے پیش کرنا، حضرت کے تلامذہ پر ایک بڑا قرض ہے، یہ قرض اگر اتر جائے تو علمی دنیا میں اضافہ درج کیا جائے گا، حال ہی میں مولانا کی ایک کتاب "مجالس علم وعرفاں" بھی شائع ہوئی تھی جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مجلسی گفتگو اور ملفوظات پر مشتمل ہے۔

مولانا کی علمی وادبی خدمات کی عندالناس بھی اچھی خاصی پذیرائی ہوئی، مصر کے زمانہ قیام میں مسابقۃ القرآن میں شرکت کرکے اول پوزیشن حاصل کرنے پر انعام کے طور پر حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی، ۲۰۰۲ء میں عربی زبان وادب میں مہارت کے اعتراف کے طور پر اس وقت کے صدر جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام نے صدارتی ایوارڈ سے سرفراز کیا، ۲۰۰۵ء میں ان کے وطن کے نوجوان، علماء اور دانشوروں کی طرف سے مجاہد آزادی محمد شفیع بیرسٹر کے نام سے موسوم "شفیع بیرسٹر ایوارڈ" سے نوازا گیا، حج بیت اللہ کی سعادت کو چھوڑ کر مولانا کے قبول کر لینے کی وجہ سے یہ سارے ایوارڈ عزت پاگیے، اصل ایوارڈ تو اللہ رب العزت کی جانب سے دیا گیا ہوگا جنت کی کھڑکیاں کھول کر فرشتوں نے کہا ہوگا "نم کنومة العروس" دلہن کی طرح اطمینان سے سوجا۔

مولانا سے میری ملاقات کا دورانیہ کم وبیش پینتیس (۳۵) سال کا ہے، جمعیت شباب اسلام کے جنرل سکریٹری ہونے کی وجہ سے میرا آنا جانا جمعیت کے مرکزی دفتر لکھنؤ ہوتا رہتا تھا، مولانا کی عبقریت وعظمت اور خوردوں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے ہر سفر میں کبھی درسگاہ میں اور کبھی ان کی رہائش گاہ پر حاضری ہوتی اور ملاقات کی سعادت ملتی، بہار ان کا وطن اصلی تھا، اس لیے یہاں کے احوال وکوائف، تعلیمی، سماجی، معاشی اور معاشرتی ترقی وتنزلی پر گفتگو ہوتی؛ پھر کام کے حوالہ سے ضروری مشورے دیتے۔

ایک بار ہم لوگوں نے حضرت قاری مشتاق احمد صاحب بانی وناظم مدرسہ عرفانیہ لکھنؤ کا سفر شمالی بہار کا طے کیا، انہیں خاص طور سے ویشالی اور مدھوبنی جانا تھا، جب ہم لوگ ان کے گاؤں ململ پہونچے تو وہاں مولانا پہلے سے تشریف فرما تھے، غالباً مولانا وصی احمد صدیقیؒ سابق ناظم مدرسہ چشمہ فیض ململ نے انہیں پہلے سے مدعو کر رکھا تھا، اس موقع سے حضرت کی توجہ اور لطف وعنایات اس احقر پر بھی رہی، حضرت کے در دولت پر بھی حاضری ہوئی، ادھر دو سال سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی تھی، لاک ڈاؤن نے میرے پاؤں میں بیڑیاں لگادیں، سفر موقوف رہا؛ لیکن جب بھی ادھر سے کوئی جاتا تو خیریت دریافت کرتے رہتے، یہ ان کا بڑپن تھا، اس سے زیادہ لکھنے کی اب مجال نہیں ہے۔

بہت سخن ہائے گفتنی ہیں لیکن
ابھی مجال سخن نہیں ہے

کتابوں کی دنیا ✍: ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

دُردِ تہ جام

"ڈاکٹر ممتاز احمد خاں (۱۹۵۳۔۲۰۲۱) سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر بھیم راؤ امبیڈکر بہار یونیورسٹی مظفر پور، ساکن ساجدہ منزل باغ ملی حاجی پور بن رضوان احمد خاں (م ۱۸/ اگست ۲۰۰۶ء) بن بودھن خاں کا شمار اردو زبان وادب، لسانیات اور اقبالیات کے ماہرین اور بڑے نقادان فن میں ہوتا ہے، ان کی کتابیں ادب اور ادبی رویہ، اردو میں مرصع نثر کی روایت، اقبال۔ شاعر اور دانشور، متاع لوح وقلم، متاع نقد ونظر اور قندیلیں مطبوع، معروف اور مقبول ہیں، ان کے مندرجات سے ڈاکٹر صاحب کے مطالعے کی گہرائی اور گیرائی کا پتہ چلتا ہے۔

دُردِ تہ جام ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کی آخری کتاب ہے، اس کتاب کے مضامین ومقالات کو مرتب کرنے کے بعد ان کی زندگی کا آخری ورق الٹ گیا، وہ ان مضامین کو یک جا کرتے وقت اس احساس سے دوچار تھے اور اس کا تذکرہ بار بار کیا کرتے تھے، بالآخر ان کے احساس نے حقیقت کا روپ دھارن کرلیا۔

دردتہ جام میں جو مضامین ہیں، ان میں حالی، اقبال، برج نارائن چکبست، مجاز، جاں نثار اختر، جمیل احمد خاں جمیل، رمز عظیم آبادی، کلیم عاجز، عزیز بگھروی، کیف عظیم آبادی، علیم اللہ حالی، طارق جمیلی، قیصر صدیقی، ناشاد اورنگ آبادی، بدر محمدی، کلیم الدین احمد، اختر اورینوی، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر، شکیل الرحمن، طیب عثمانی ندوی، نادم بلخی، ناصر رضا خاں جلالی، نعیم کوثر، بختیار احمد، مناظر عاشق ہرگانوی، محمود عالم اور انوار الحسن وسطوی کی فکری اور فنی جہتوں اور مختلف اصناف سے متعلق ان کی گراں قدر خدمات پر انتہائی معتدل اور متوازن آراء کا اظہار کیا ہے، یہ مضامین ڈاکٹر صاحب کی مختلف موضوعات پر دوررس نگاہ اور قوامین بالقسط کی عمدہ مثال ہے، کتاب کا دوسرا حصہ مختلف کتابوں کے تبصروں پر مشتمل ہے، اس حصہ میں جن حضرات کی کتابوں پر تبصرے کئے گئے ہیں ان میں کلیم عاجز، عبد المغنی، نجم الہدیٰ، فاروق ارگلی، قیصر ضحیٰ عالم، رضیہ تبسم، سید محمد جلیل، منظر اعجاز، ارشد مسعود ہاشمی، محمد وسیم، ریحان غنی، واحد نظیر، شہاب ظفر اعظمی، نوشاد مومن اور شکیل احمد خاں کی تصنیفات شامل ہیں۔

ان تبصروں میں تنقیدی پہلو غالب ہے، دونوں حصوں میں ڈاکٹر صاحب کی تنقیدی بصیرت اور اصناف سخن پر گہری نظر کا عکس جمیل دیکھنے کو ملتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے پوری زندگی صالح ادب برائے زندگی؛ بلکہ اسلامی ادب کو فروغ وپروان چڑھانے اور ان لوگوں کی قدردانی میں لگادی جو اس کاز اور کام کے لیے سرگرم عمل رہے، ڈاکٹر صاحب تعفن زدہ ادب کے قائل نہیں تھے، اس لیے انہوں نے چن چن کر ایسی شخصیات اور تصنیفات کو ہی بحث کا موضوع بنایا ہے جو ان کی اصلاحی اور اسلامی فکر سے قریب تر تھے، اللہ کرے صالح ادب کے فروغ میں ان کی حصہ داری بھی آخرت میں ترقی درجات کا سبب بن سکے۔

عبادت کا آسان طریقہ

مولانا مفتی معز الدین جمال قاسمی (ولادت ۵ر فروری ۱۹۸۱) ساکن بھتوریہ، ڈاک خانہ مجھوا کلاں وایا قصبہ ضلع پورنیہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے فقہ وفتاویٰ میں تخصص کیا ہے، کم وبیش انیس سالوں سے درس وتدریس امامت وخطابت وغیرہ سے منسلک ہیں، ان کی کئی کتابیں مختلف دینی موضوعات پر مطبوع اور مقبول ہیں، ان کی ایک کتاب "عبادت کا آسان طریقہ" ہے، جو تین جلدوں میں ہے، پہلی جلد آٹھ سال قبل طبع ہوئی تھی، اب اس کا دوسرا ایڈیشن نظر ثانی کے بعد اضافہ کے ساتھ آنے والا ہے، مسودہ کی شکل میں یہی میرے سامنے ہے۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے، مصنف نے اس کتاب میں طہارت اور صلوٰۃ کے مسائل کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے، جو کامیاب ہے، مصنف نے "دل کی باتیں" کے ذیل میں کتاب کی ضرورت اور اس کی ترتیب میں جن امور کا خیال رکھا ہے، اس کا ذکر کیا ہے، مصنف کی ایک دوسری تحریر اس کتاب پر مقدمۃ التحقیق کے عنوان سے ہے، جس میں فقہ کی ضرورت واہمیت اور اس فن میں پختگی کی وجہ سے عزوشرف کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے، یہ مقدمہ وقیع بھی ہے اور تحقیقی بھی، شروع کتاب میں ہی قارئین کو فقہی اصطلاحات سے واقف کرانے کے لیے عام طور پر مستعمل اصطلاحات پر روشنی ڈالی گئی ہے، تاکہ مطالعہ کے وقت ان اصطلاحات کو دیکھ کر قاری کسی خلجان میں مبتلا نہ ہو۔

کتاب کی ترتیب اچھی ہے، مسائل مدلل ذکر کیے گئے ہیں، الفاظ سہل ہی نہیں آسان استعمال کیے گئے ہیں، اس کی وجہ سے کم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بھی اس کتاب سے استفادہ ممکن ہوگیا ہے، اس موضوع پر بازار میں بہت ساری کتابیں دستیاب ہیں، لیکن "ہر گلے را بوئے دیگر است" کے مصداق ہر کتاب کی اپنی اہمیت وافادیت ہے، بنیادی دینی تعلیم کو گھر گھر پہونچانا ہم سب کی شرعی ذمہ داری ہے، اس لیے جو لوگ بھی ان موضوعات پر کام کررہے ہیں، وہ ہمارے لیے انتہائی قیمتی ہیں، ہمیں ان کے کاموں کی قدر کرنی چاہیے، کیوں کہ وہ ایک بڑی ضرورت کی تکمیل کررہے ہیں۔

مولانا مفتی معز الدین جمال قاسمی کی یہ کتاب انتہائی اہم ہے، مجھے امید ہے کہ ان کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی مقبول ہوگی اور اس سے امت کی بڑی ضرورت جس کا تعلق طہارت وصلوٰۃ جیسے اہم امور سے ہے، پوری ہوسکے گی، میں اس کتاب کی تصنیف پر مفتی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں اور اس کے قبول عام وتام کی دعا پر اپنی بات ختم کرتا ہوں، آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

Scanned with CamScanner

حکایات اہل دل

مولانا رضوان احمد ندوی

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے حیرت انگیز واقعات کے پڑھنے سے روحانی عظمت اور وقعت کا احساس ابھرتا ہے، اور عزم وحوصلہ کو توانائی ملتی ہے، انہیں بنیادوں پر یہاں حکایات اہل دل کے عنوان سے چند بزرگوں کے واقعات ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی حسن تدبیر:

حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک نوجون پڑوسی تھا جوان کی مجلس کا حاضر باش تھا امام صاحبؒ سے ذکر کیا کہ میں نے کوفے میں ایک آدمی کے ہاں نکاح کا پیغام بھیجا ہے، لیکن وہ مہر میری ہمت سے زیادہ مانگتے ہیں اور نکاح میں وہیں کرنا چاہتا ہوں، کوئی تدبیر بتایئے!

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ استخارہ کرلو پھر ان کی مانگ پوری کردو، چنانچہ اس نوجوان نے استخارہ کے بعد لڑکی والوں کا مطالبہ منظور کرلیا اور نکاح ہوگیا، اب اس نے آکر امام صاحب سے کہا کہ میں نے سسرال والوں سے یہ بات کہی کہ مقررہ مہر کچھ اس وقت لے لیں، کل مہر کی ادائیگی فوری طور پر میرے لیے دشوار ہے، مگر وہ مانتے نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ پورا مہر ادا کرو تب لڑکی تمہاری یہاں بھیجیں گے۔

اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کا ایک حیلہ اور تدبیر یہ ہے کہ سردست قرض لے کر مہر ادا کردو، اس طرح تمہاری بیوی تمہارے پاس آجائے گی، میرے نزدیک ان لوگوں کی سختی اور درشتی تمہارے حق میں بالآخر مفید ہوگی۔

اس نوجوان نے امام صاحبؒ کی اس بات پر عمل کیا اور دوجگہ سے قرض لیکر مہر ادا کردیا، کچھ رقم امام صاحبؒ سے بھی قرض لی، ادائیگی مہر کے بعد بیوی اسے مل گئی، اب امام صاحبؒ نے اسے اگلی تدبیر بتائی کہ تم اب کسی طرح اس کا اظہار کروکہ تم کہیں کسی طویل سفر پر دور دراز علاقے میں جانے والے ہو اور بیوی کو ہمراہ لے جانا چاہتے ہو، تمہارے اس قصد اور ارادہ پر کوئی روک لگانے کا حق نہیں رکھتا۔

امام صاحبؒ کی اس تجویز پر اس نے کرایہ پر دو اونٹ لیے اور خراسان کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا، اور بیوی کو ساتھ لے جانے کا بھی ذکر کیا، یہ بات جب اس کی سسرال والوں کو معلوم ہوئی تو انہیں بہت فکر اور ملال ہوا اور وہ لوگ فتوے کے لیے امام صاحب کے پاس دوڑے آئے، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ شرعاً شوہر اپنی بیوی کو ساتھ لے جانے کا حق رکھتا ہے، ان لوگوں نے کہا کہ اپنی لڑکی کو یوں اپنے سے دور لے جانے کی ہم اجازت نہیں دے سکتے، اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ پھر اس کی یہ صورت ہے کہ اس کو کسی طرح راضی کرلو، اور جو کچھ تم نے بصورت مہر اس سے لیا ہے وہ اسے واپس کردو، یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی اور اس کو انہوں نے مان لیا، تب امام صاحب نے اس نوجوان کو بلایا اور اسے بتایا کہ تمہارے سسرال والے نرم پڑ گئے ہیں، اور تمہارے دیے ہوئے مہر کو واپس کردینے پر تیار ہیں، اب وہ شخص ذرا لالچ میں آکر بولا پھر میں اس سے بھی زائد کچھ رقم وصول کرنے کی پوزیشن میں ہوں، امام صاحبؒ نے اب اس نوجوان کی گرفت کی اور کہا زیادہ اکڑ میں نہ آؤ، معاملہ الٹا بھی ہوسکتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ تمہاری بیوی کسی کی قرض دار ہو اور برملا اس کا اعتراف کرے تو جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو وہ تمہارے ساتھ نہ جاسکے گی، اب یہ نوجوان سٹپٹایا کہ کہیں امام صاحبؒ جیسے طباع اور قانونی آدمی سے یہ ترکیب سسرال والوں کو معلوم ہوگئی تو ساری محنت برباد ہوجائے گی، فوراً کہا کہ سبحان اللہ! پھر تو مجھے ان لوگوں سے کچھ بھی وصول نہ ہوسکے گا، لہٰذا اس نے ادا کردہ مہر واپس لے کر وہیں ٹھہر جانے کا معاہدہ کرلیا اور امام صاحبؒ کی حسن تدبیر سے اس نوجوان کی اور اس کے سسرال والوں کو بیک وقت فائدہ پہنچا۔

دفینہ مل گیا:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ اس نے کسی جگہ مال دفن کیا تھا مگر اب وہ مقام بھول گیا ہے، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ کوئی فتوے کی بات تو نہیں جس کا تمہیں کوئی حل بتلاؤں، خیر تم ایک کام کرو، رات کو جاکر نفلوں کی نیت باندھ لو اور صبح تک یہ کام کرتے رہو، ان شاء اللہ صبح ہونے تک جگہ یاد آجائے گی۔

اس شخص نے جاکر نفلیں شروع کردیں، ابھی تھوڑی ہی رات گزری تھی اور کچھ ہی نفلیں پڑھی تھیں کہ اسے اپنا دفینہ یاد آگیا، بس وہ نفلیں چھوڑ چھاڑ کر اب مطمئن ہوگیا اور صبح کو جاکر امام صاحبؒ سے عرض کیا کہ دفینہ جس جگہ تھا مجھے یاد آگیا، امام صاحب نے فرمایا کہ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ شیطان تمہیں نفلوں میں نہیں لگنے دے گا، اور تمہیں وہ مقام یاد دلاکر اس نیک کام سے روک دے گا، اور وہی ہوا، مگر اللہ کے بندے پہلے تو نوافل اپنی غرض سے پڑھنی شروع کی تھیں، اب بقیہ رات اگر شکرانے کی نفلیں پڑھ کر گزار دیتے تو کیا ہی اچھی بات تھی۔

بھول چوک کا نادر واقعہ:

ہشام کلبی کا واقعہ محمد بن ابی سری سے منقول ہے کہ میں نے دو کام ایسے کیے کہ کسی نے نہ کیے ہوں گے، حفظ قرآن ایسا کیا کہ کسی نے اس طرح نہ کیا ہوگا اور نسیان ایسا ہوا کہ ایسی چوک کسی سے نہ ہوئی ہوگی۔

وہ کہتے تھے کہ میرے چچا حفظ قرآن نہ کرنے پر مجھے بہت ڈانٹا کرتے تھے اور خفا ہوتے، ایک دن گھر میں جب وہ مجھ پر برہم ہوئے تو میں نے قسم کھالی کہ اب گھر سے قرآن حفظ کرکے ہی باہر نکلوں گا، چنانچہ اس قسم کے نتیجہ میں تین روز کے اندر سارا قرآن میں نے حفظ کرلیا۔

بھول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آئینہ اٹھا کر جو دیکھا تو ڈاڑھی حد سے بڑھی ہوئی دیکھی، میں نے ایک مشت کے قریب ہاتھ میں ڈاڑھی پکڑی اور زائد بالوں کو قطع کرنا جو چاہا تو قینچی بجائے نیچے کے اوپر کے حصہ پر چلادی اور ڈاڑھی اوپر سے کاٹ ڈالی۔

اسلامی آداب:

عبداللہ بن المبارکؒ کا واقعہ ہے کہ ان کی مجلس میں ایک شخص کو چھینک آگئی مگر اس نے الحمدللہ کہا ہی نہیں اس پر ابن مبارک نے اس سے پوچھا کہ جب چھینک آئے تو چھینکنے والے کو کیا کہنے کا حکم ہے، اس نے کہا الحمد للہ، اس پر انہوں نے فرمایا یرحمک اللہ، گویا حسن تدبیر سے چھینک کے بارے میں اسلامی آداب ذہن نشیں کرادیے۔

سفارش سے عذاب ملتوی ہوگیا:

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ خواجہ معین الدین چشتی کے پیرومرشد تھے اور بڑے صاحب کشف وکرامات اولیاء میں شمار ہوتے تھے، ایک مرتبہ آپ اپنے ایک پیر بھائی کی تدفین میں شریک ہوئے، تدفین کے بعد سب لوگ روانہ ہوگئے، لیکن آپ کچھ دیر قبر کے پاس ٹھہرے رہے، اتنے میں قبر کا حال آپ پر منکشف ہوا، کسی جرم میں صاحب قبر کے پاس عذاب کے فرشتہ آئے، حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے ان کی آمد کو محسوس کرلیا، آپ نے فرمایا یہ مجھ سے تعلق رکھنے والوں میں سے تھے، حضرت کے یہ فرمانے کے بعد فرشتے واپس ہوگئے اور عذاب رفع ہوگیا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں سے تعلق رائیگاں نہیں جاتا، یہ تعلق دنیا میں بھی کام آتا ہے اور مرنے کے بعد بھی، نادان ہیں وہ لوگ جو اللہ والوں کو اور ان سے متعلق کو بے کار سمجھتے ہیں۔

بینائی لوٹ آئی:

حافظ حدیث حضرت یعقوب سفیان فارسی کبار اولیاء میں سے گزرے ہیں، انہوں نے مستقل تیس سال حصول علم کی خاطر اپنی زندگی کا قیمتی حصہ سفر کی حالت میں گذارا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ وہ سفر کی حالت میں تھے، اسی درمیان خرچ کے لیے روپے ختم ہونے لگے، جبکہ اس زمانہ میں آپ کا نظام عمل رات کو چراغ کی روشنی میں لکھنے کا اور دن بھر پڑھنے کا تھا، سردی کے زمانہ میں ایک رات کا واقعہ ہے حضرت یعقوب چراغ کی روشنی میں لکھنے میں مشغول تھے کہ اچانک آنکھوں میں پانی اتر آیا، اور آنکھ کی بینائی ختم ہوگئی، ایسی مشکل گھڑی میں آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، اور طرح طرح کی تفکرات میں غرق ہوگئے، آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اسی حسرت میں آنکھ لگ گئی، خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یعقوب تم کیوں رو رہے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بے وطن ہوں، میری آنکھ کی بینائی ختم ہوگئی ہے، اور میں نے جس علم کو حاصل کرنے کے لیے سفر کیا تھا میرا مقصد سفر ہی فوت ہوگیا، حضورؐ نے فرمایا تم میرے قریب آؤ چنانچہ وہ قریب گئے، اس کے بعد آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کی آنکھوں پر پھیر دیا، اور کچھ پڑھ کر دم فرمادیا، اب کیا تھا کہ یعقوب بن سفیان کی زندگی کا کایہ ہی پلٹ گیا، اور بینائی فوراً واپس آگئی اس کے بعد اٹھ کر کتاب لے کر پھر لکھنے میں مشغول ہوگئے، انہوں نے ۸۰ر سال سے زیادہ عمر پائی اور آخر زندگی تک بینائی اسی طرح برقرار رہی۔

یہ تھا انصاف کا پیمانہ:

ساتویں صدی ہجری میں سلطان غیاث الدین بلبن ہندوستان کے ایک بڑے بادشاہ گزرے ہیں، بیس برس ایسے کروفر سے حکومت کی کہ دشمن بھی لرز گئے، اور سارا ملک خوشحال اور آباد ہوگیا، ان کے حالات زندگی میں مورخوں نے لکھا کہ ان کو شکار کا بڑا شوق تھا، وہ ایک دفعہ شکار کے لیے جنگل گئے، راستہ میں ان کے تیر سے ایک غریب بوڑھی خاتون کا معصوم بچہ ہلاک ہوگیا، وہ بوڑھی آہ وبکا کرتی ہوئی قاضی شریعت حضرت شیخ سراج الدین کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بادشاہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا، قاضی شریعت نے اس سے دریافت کہ کیا تمہارے پاس شواہد وثبوت ہیں کہ واقعۂ بادشاہ کی تیر سے ہی بچہ ہلاک ہوا ہے، اس خاتون نے جواب دیا کہ ہاں، بادشاہ کے سپاہیوں نے دیکھا ہے وہ ضرور گواہی دیں گے، قاضی نے بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا اور ان کے ساتھ کچھ سپاہی کو بھی بلالیا، بادشاہ ایک مجرم کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوا، البتہ وہ چلتے وقت ایک دھار دار خنجر بغل میں چھپائے ہوئے حاضر عدالت ہوا، سپاہیوں نے سمجھا کہ آج قاضی کی خیر نہیں، مدعی اور مدعا علیہ دونوں کٹہرے میں کھڑے تھے، قاضی نے دلائل وشواہد کے بعد بوڑھیا کے حق میں فیصلہ سنایا اور کہا کہ اے خاتون! اگر تم قصاص کا بدلہ لینا چاہتی ہے تو قصاص لے سکتی ہو، اور اگر اس کے عوض دیت لینا چاہتی ہے تو دیت کا مطالبہ کرسکتی ہو، حق وانصاف کے اس فیصلہ پر خاتون کو اطمینان ہوا اور کہا کہ میرا بچہ تو مرگیا وہ دوبارہ زندہ نہیں لوٹ سکتا، مگر ہاں!......ایسے نیک طبیعت بادشاہ کو زندہ رہنا چاہیے، میں نے معاف کیا، اس لیے مجھے دیت دلوایئے، بادشاہ نے بوڑھیا کے مطالبہ پر اس کی خواہش سے کہیں زیادہ عطا کیا، اور چلتی بنی، بادشاہ قاضی کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ اگر تم میری رعایت میں غلط فیصلہ کرتے تو اس خنجر سے تمہارا سر دھڑ سے الگ کردیتا، اب کیا تھا قاضی شریعت کی دینی حمیت وغیرت بھی جوش میں آئی اور اپنی نشست گاہ سے کوڑا نکالا اور کہا کہ اگر تم قانون شریعت اور عدل وانصاف سے انحراف کرتے تو اس کوڑے سے فیصلہ کو منواتا، یہ تھا اس عہد کے انصاف کا پیمانہ۔

حسن اخلاق:

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے سات حج کئے اور پیدل کئے، ایک مرتبہ حج سے واپس تشریف لارہے تھے پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور آخر شب وہاں سے روانہ ہوئے، اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہوگئی بھٹیاری نے کہا: ایک شخص رات کو مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا، ضرور وہی چور ہے، لوگوں نے تعاقب کرتے ہوئے آپ کو جھنجھانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو، آپ نے کہا کہ جھنجھانہ کے تھانہ میں نہ لے جاؤ، کہیں اور لے چلو، اس پر ان لوگوں نے اور بھی شبہ کیا اور وہ جھنجھانہ کے ہی تھانہ میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کردیا۔

تھوڑی دیر میں سارے قصبے میں شور مچ گیا، عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر تھانے دار کی بدمعاشی ہے، اس کی جان کے درپے ہوگئے، تھانے دار نے بہت مشکل سے آپ کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی، پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کو مارنا چاہتے تھے کہ اس نے خواہ مخواہ ایک بزرگ پر الزام تراشی کی تھی، آپ نے تھانے دار سے کہا، اس شخص کی جان کے تم ذمہ دار ہو اس کے ساتھ دو تین آدمی کردو جو اسے بخیریت پانی پت پہونچادیں۔

مضبوط خاندان کے خدوخال

محی الدین غازی

انسانی سماج کے سب سے زیادہ حسین اور دل کش نظارے خاندان کے دائرے میں نظر آتے ہیں۔شوہر اور بیوی کی محبت، ماں باپ کی شفقت، چھوٹوں سے پیار، بڑوں کا احترام، بیماروں کی تیمارداری، معذوروں کی مدد، بوڑھوں کو سہارا، ایک دوسرے کے کام آنا، سب کو اپنا سمجھنا، خوشی اور غم کے مواقع پر جمع ہو جانا۔غرض خاندان ایک چھوٹا سماج ہوتا ہے اور یہ چھوٹا سماج جتنا زیادہ مضبوط اور خوب صورت ہوتا ہے، بڑے سماج کے لئے اتنا ہی زیادہ مفید اور مددگار رہتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب اپنی رعایا کے سلسلے میں جواب دہ ہو۔امام ذمے دار ہے اور اپنی رعایا کے سلسلہ میں جوابدہ ہے، مرد اپنے اہل خانہ میں ذمے دار ہے اور وہ اپنی رعایا کے سلسلے میں جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر میں ذمے دار ہے اور وہ اپنی رعایا کے سلسلے میں جواب دہ ہے“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان میں مرد کی حیثیت بھی ذمہ دار کی ہے اور عورت کی حیثیت بھی ذمے دار کی ہے، اور ان کا گھران کے لیے رعایا کی حیثیت رکھتا ہے۔بہتر خاندان کی تشکیل کی ذمے داری اور جواب دہی دونوں پر عائد ہوتی ہے۔

مضبوط خاندا ن کی ٹھوس بنیادیں: دورجدید میں جب کہ ہر چیز کی مادی توجیہ کی جاتی ہے، سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خاندان محض ایک سماجی رواج ہے جو وقتی ضرورتوں کے تحت وجود میں آیا اور جب وہ ضرورت باقی نہیں رہے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی انسان کے ارتقا کا تقاضا ہے، اسلام اس تصور کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا ہے۔وہ خاندان کو نوع انسانی کا ایک ناگزیر عنصر مانتا ہے، جس سے علاحدگی اور دوری نوع انسانی کے لیے خطرناک حد تک نقصان دہ ہے۔اسلام میں خاندان کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور اس کی مضبوطی کے لیے ٹھوس اور گہری بنیادیں فراہم کی گئی ہیں۔

رشتے ناطے امتحان ہیں: اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک امتحان ہے اور رشتے اس امتحان کا ایک اہم حصہ ہیں۔امتحان کی نفسیاتی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آسان سوالوں کو انسان خوش دلی سے حل کرتا ہے اور مشکل سوالوں کو درست طریقے سے حل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائی صرف کر دیتا ہے۔رشتوں کو امتحان مان لینے کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ہر رشتے کو خوبی کے ساتھ نباہ لینے کی کوشش کرتا ہے خواہ اس کے لیے اسے کتنی ہی مشقت اٹھانی پڑے۔دشوار صفت رشتے نباہ لینے میں اسے کامیابی ملتی ہے تو وہ اسی طرح خوش ہوتا ہے جس طرح ایک مشکل سوال حل کر لینے پر خوشی حاصل ہوتی ہے۔امتحان کا تصور رشتوں کے ساتھ تعامل کی کیفیت کو بالکل بدل دیتا ہے۔پھر مسائل سامنے آنے پر رشتوں سے فرار نہیں اختیار کرتا ہے بلکہ رشتوں کو نباہنے کی ذمہ داری کو قبول کرتا ہے۔

رشتے انسان کا امتیاز ہیں: خاندان اور رشتوں کا جو نظام انسان کو حاصل ہے وہ صرف انسانوں کو امتیاز ہے اور انسانی شرف کی ایک علامت ہے۔رشتوں کا یہ نظام حالات وضروریات کے تحت انسانوں کی اپنی اختراع نہیں ہے، بلکہ زندگی کے دیگر امتیازی انتظامات کی طرح یہ خاص انسانی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا امتیازی انتظام ہے جو انسانوں کو خصوصی طور پر عطا کیا گیا ہے۔انسانی ضرورتوں کی تکمیل غول اور جھنڈ سے پوری نہیں ہو سکتی ہے، اسے قدم قدم پر رشتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

تمام رشتے اللہ نے بنائے ہیں: تمام رشتے اللہ نے بنائے ہیں؛ اس لیے انہیں خاص تقدس اور احترام حاصل ہے۔ان کو توڑنا یا ان کی بے حرمتی کرنا اللہ کے حدود سے تجاوز کرنا اور اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔اسی لیے اللہ کی ناراضگی کا خوف رشتوں کا سب سے بڑا محافظ ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں خلافت کا جو بڑا مقام عطا کیا ہے، اس کے لیے خاندان اور رشتوں کے اس نظام کا ہونا لازمی تھا، ان رشتوں کے ساتھ صحیح تعامل کرتے ہوئے انسان خلافت کی ذمہ داری کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رشتوں کو نباہنے کا فطری جذبہ ہونے کے باجود اللہ تعالیٰ اس کی بار بار تاکید بھی کرتا ہے۔

تمام رشتے محبت واحترام کے رشتے ہیں: جب تمام رشتوں کا ایک سرا اللہ سے ملتا ہے، اس معنی میں کہ اللہ رشتوں کا خالق ہے، اور اس نے رشتوں کی پاس داری کا حکم دیا ہے، تو پھر بلا تفریق تمام رشتوں کی پاس داری ضروری قرار پاتی ہے۔رشتوں میں مراتب کا فرق تو ہو سکتا ہے، لیکن رشتوں میں ایسی تفریق جائز نہیں ہے کہ کچھ رشتوں کو باقی رکھا جائے اور کچھ کو ختم کر دیا جائے۔غرض خرابی انسانون کے اندر تو ہو سکتی ہے، لیکن خود رشتوں میں کوئی ایسی خرابی نہیں پائی جاتی کہ کسی رشتے کو نفرت کا رشتہ قرار دیا جائے۔

رشتے انسا ن کا پیدائشی اور بنیادی حق ہیں: یہ اللہ کی حکمت تخلیق ہے، اور انسان پر اس کا بہت بڑا کرم ہے کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بڑے خاندانوں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔پیدا ہوتے ہی اسے دو بڑے خاندانوں سے تعلق عطا ہو جاتا ہے، یہ پیدا ہونے والے انسان پر اللہ کی خصوصی عنایت ہوتی ہے۔جو لوگ خاندان کے ادارے سے باہر، شادی کے بغیر، ناجائز طریقے سے بچے کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں وہ اس پیدا ہونے والے بچے پر اس پہلو سے بھی ظلم کرتے ہیں۔اسی طرح جو لوگ اپنے خاندان سے کٹے رہتے ہیں اور پیدا ہونے والے بچوں کو دو خاندانوں کی خوش گوار فضا نہیں مہیا کرتے ہیں وہ بھی اپنے بچوں کو ان کے پیدائشی اور بنیادی حق سے محروم کر دیتے ہیں۔ہر بچے کا حق ہے کہ اسے ننیہال اور دادیہال دونوں حاصل ہوں اور والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ بچے کو اس حق سے محروم نہ ہونے دیں۔

رشتے انسان کی بھلائی کے جذبے کو تکمیل کے مواقع فراہم کرتے ہیں: انسان کے اندرون کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب وہ بیرونی دنیا سے جڑے ہوئے اپنے اندر موجود متنوع جذبوں کی تکمیل کرتا ہے، خاندان کی دنیا میں ایک انسان کو اپنے بہت سے جذبوں کی تکمیل کا موقع حاصل ہوتا ہے، اور یہ تمام مواقع اس کے اردگرد بہت قریب ہوتے ہیں۔بڑے بوڑھوں کے ساتھ تعلق، چھوٹے بچوں کے ساتھ تعلق، ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ تعلق، شفقت کا جذبہ، خدمت کا جذبہ، محبت کا جذبہ، غم بانٹنے اور خوشی میں شریک کرنے کا جذبہ، دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش ہونے کا خوب صورت احساس، دوسروں کے دکھ کو دور کرنے کا ناقابل بیان لطف، غرض نیکی اور بھلائی کے بہت سے جذبے جو انسانوں کی خصوصیت ہیں، اپنی تکمیل کا سامان خاندان کی دنیا میں آسانی سے پا لیتے ہیں۔

رشتے تعاون کی بڑی ضرورت کو پورا کرتے ہیں: یہ انسان کی بہت بڑی ضرورت ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ آپس میں معاہدہ کر لے کہ اس گروہ میں کسی کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو سب مل کر اس کے نقصان کی تلافی کر دیں گے۔جتنے لوگ کسی ایک تعاون وتکافل کے معاہدے میں شریک ہوتے ہیں وہ سب ایک دوسرے کی حسب معاہدہ کفالت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔اس نظام کی افادیت سے انکار نہیں ہے، تاہم مادہ پرست دنیا میں تکافل کا یہ نظام تجارت کاری کے تحت آ جاتا ہے، اور عام طور سے استحصال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو خاندان کی صورت میں تکافل کا فطری اور جذبات سے بھرپور نظام عطا کیا ہے۔مضبوط خاندان میں حادثات اور حالات کا شکار ہونے والا ہر فرد اپنی طرف بہت سے ہاتھوں کو بڑھتا ہوا پاتا ہے۔مضبوط خاندان میں رہنے والا فرد سکون اور اطمینان کی زندگی گزارتا ہے اور اس کے دل کو بے شمار اندیشے خوف زدہ اور پریشان نہیں رکھتے ہیں۔

رشتے سماج میں انسان کی حصے داری کو یقینی بناتے ہیں: خاندان کے افراد کی طرف کفالت کا ہاتھ بڑھانے والے ایک طرح سے سماجی کفالت میں حصہ لیتے ہیں۔اسے اس طرح سمجھا جائے کہ اگر کسی خاندان میں ایک یتیم کی کفالت کا انتظام نہیں ہو پاتا ہے تو وہ یتیم پورے معاشرے پر بوجھ ہوتا ہے۔جب کہ اگر یتیم کی کفالت کا خاندان کے اندر ہی انتظام ہو جائے تو معاشرے پر یہ بوجھ نہیں پڑتا ہے۔غرض یہ کہ اگر ہر خاندان کے افراد مل جل کر اپنے مسائل کو خود حل کرنے لگیں تو سماج میں مسائل کی شرح بہت کم رہ جائے گی۔اسی طرح اگر اعلیٰ اقدار کی تخم ریزی اور ان کے پودوں کی سیرابی خاندان کے اندر ہی ہوتی رہے تو ہر خاندان معاشرے کے لیے باعث خیر ورحمت بن جائے۔

رشتے انسان کو خوشی اور غم بانٹنے کا پلیٹ فارم دیتے ہیں: انسان تنہا خوشی نہیں منا سکتا ہے، اسے خوشی منانے کے لیے انسانوں کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے۔انسان تنہا غم بھی نہیں سہار سکتا ہے، غم سہارنے کے لیے غم کو بانٹنے والے درکار ہوتے ہیں، خاندان مل جل کر خوشی منانے اور مل جل کر غم بانٹنے کے لیے ایک فطری پلیٹ فارم دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے زندگی کی صورت گری ایسی کی ہے کہ اس میں بوجھ بھی بہت ہیں اور خوشیاں بھی بہت ہیں۔زندگی کا بوجھ تنہا اٹھانا ممکن نہیں ہوتا ہے، زندگی کا سکھ بھی تنہا حاصل کر لینا ممکن نہیں ہوتا ہے۔مضبوط خاندان اسے یقینی بناتا ہے کہ انسان زندگی کا بوجھ بھی آسانی سے اٹھا لے اور زندگی کے سکھ بھی حاصل کر سکے۔

مضبوط خاندان کے خدوخال: خاندان کو مضبوط بنانے کے لیے عقل کے تقاضے بھی بھرپور رہ نمائی کرتے ہیں، تاہم دینی رہ نمائی ان تقاضوں کی تکمیل کے لیے طاقت ور محرک ہوتی ہے۔یہ دینی محرک انسان کو مشکل سے مشکل حالت میں مضبوط موقف اختیار کرنے پر آمادہ رکھتا ہے۔عقل کے سامنے دنیا کی سعادت ہوتی ہے، جب کہ دین دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔صرف عقل کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی عمارت خواہشات اور حادثات کا صدمہ برداشت نہیں کر پاتی ہے۔دین کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی عمارت بہت ٹھوس اور مستحکم ہوتی ہے، ہر جھٹکے کو برداشت کر لیتی ہے۔غرض مضبوط خاندان کی تشکیل عقل کا تقاضا بھی ہے اور دین کا تقاضا بھی ہے، عقل بھی رہ نمائی کرتی ہے اور دین بھی رہ نمائی کرتا ہے۔مومن کی خوش نصیبی یہ ہے کہ وہ دونوں سے فیض اٹھاتا ہے۔

مضبوط خاندان میں اعلیٰ اصولوں کی پاس داری ہوتی ہے: اجتماعی معاملات میں عدل اسلام کا سب سے اہم اصول ہے، اس اصول کو برتنے میں سب لوگ شامل ہو جائیں تو خاندان مضبوط ہو جاتا ہے۔خاندان کے تمام افراد کے درمیان عدل کیا جائے، مردوں اور عورتوں میں یا بیٹیوں اور بہوؤں یا دیگر افراد کے درمیان ایسا فرق جو ظلم کی حد تک پہنچ جائے اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے اور خاندان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔عدل ہی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ خاندان کے مشترک فیصلے مشاورت اور باہمی رضامندی سے ہوں۔اجتماعی زندگی میں من مانی کرنے کا رویہ ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے اور بہت دنوں تک رشتوں کو برقرار نہیں رہنے دیتا ہے۔غرض خاندان کا اعلیٰ اقدار اور اصولوں سے رشتہ جتنا مضبوط رہے گا خاندان کی کڑیاں اسی قدر مستحکم رہیں گی۔

مضبوط خاندان میں لطیف جذبات کی رعایت کی جاتی ہے: جذبات کو نازیبا الفاظ بھی ٹھیس پہنچاتے ہیں اور ناروا خاموشی بھی۔بڑی باتوں کا جتنا اثر جذبات پر پڑتا ہے کچھ اتنا ہی اثر چھوٹی باتوں کا بھی پڑتا ہے۔جذبات ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں اور انسان کی کم زوری یہ ہے کہ اسے صرف اپنے جذبات عزیز ہوتے ہیں۔رشتوں کی کم زوری کا بڑا سبب جذبات کی یہ انانیت ہے۔جب لوگ اپنے جذبات کے ساتھ دوسروں کے جذبات کا بھی خیال رکھتے ہیں تو رشتے بے انتہا مضبوط ہو جاتے ہیں۔

مضبوط خاندان میں سب کی کوشش رشتوں کو بچانے کی ہوتی ہے: دو افراد میں تلخی ہو جائے اور باقی لوگ اس تلخی کو ختم کرنے کی کوشش کریں تو تلخیوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔رشتوں میں خرابی اس وقت بڑھتی ہے جب دوسرے لوگ اسے برھانے میں حصہ لیتے ہیں۔تلخیوں کو بڑھانے اور رشتوں کے خرمن میں چنگاریوں سے شعلے بھڑکانے کا شوق بہت خراب ہوتا ہے۔مضبوط خاندان میں حسن اخلاق اور سمجھ داری کی حکومت ہوتی ہے: خاندان ایک ایسی اجتماعیت ہے جس میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ تعلق وتعامل اور دوسرے کے رویے پر بہت زیادہ انحصار ہوتا ہے۔حسن اخلاق اور سمجھ داری ہر اجتماعت کی لیے ضرروری ہوتی ہے، لیکن خاندان کی اجتماعیت تو ان دونون کے بغیر چل ہی ہیں سکتی ہے۔خاندان کے تقریباً تمام ہی مسائل کی پشت پر یا تو کسی کی ناسمجھی کارفرما ہوتی ہے یا کسی کی اخلاقی پستی ہوتی ہے۔ناسمجھی کا علاج سمجھ داری سے ہوتا ہے اور اخلاقی پستی کا مداوا اخلاقی بلندی سے ہوتا ہے۔خاندان کو مضبوط بنانے کے لیے سمجھ داری اور اخلاق کی عام سطح کو بلند کرنے کی کوششیں کرتے رہنا چاہیے، آج انسانیت کو بہت بڑا خطرہ نئی نسل میں بڑھتی ہوئی خاندان سے بیگانگی اور شادی کے رشتے سے بیزاری سے درپیش ہے۔اللہ کے بھیجے ہوئے دین اسلام کی تعلیمات اور اللہ کی دی ہوئی عقل کی تجلیات کو ساتھ لے کر انسانیت کو اس خطرے سے بچایا جا سکتا ہے۔

مضبوط خاندان میں حسن اخلاق اور سمجھ داری کی حکومت ہوتی ہے: خاندان ایک ایسی اجتماعیت ہے جس میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ تعلق وتعامل اور دوسرے کے رویے پر بہت زیادہ انحصار ہوتا ہے۔حسن اخلاق اور سمجھ داری ہر اجتماعت کی لیے ضرروری ہوتی ہے، لیکن خاندان کی اجتماعیت تو ان دونون کے بغیر چل ہی ہیں سکتی ہے۔خاندان کے تقریباً تمام ہی مسائل کی پشت پر یا تو کسی کی ناسمجھی کارفرما ہوتی ہے یا کسی کی اخلاقی پستی ہوتی ہے۔ناسمجھی کا علاج سمجھ داری سے ہوتا ہے اور اخلاقی پستی کا مداوا اخلاقی بلندی سے ہوتا ہے۔خاندان کو مضبوط بنانے کے لیے سمجھ داری اور اخلاق کی عام سطح کو بلند کرنے کی کوششیں کرتے رہنا چاہیے۔

مضبوط خاندان میں رخنوں کو بھرنے کا انتظام ہوتا ہے: آج انسانیت کو بہت بڑا خطرہ نئی نسل میں بڑھتی ہوئی خاندان سے بیگانگی اور شادی کے رشتے سے بیزاری سے درپیش ہے۔اللہ کے بھیجے ہوئے دین اسلام کی تعلیمات اور اللہ کی دی ہوئی عقل کی تجلیات کو ساتھ لے کر انسانیت کو اس خطرے سے بچایا جا سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

یوپی میں فرقہ پرستوں کا سیاسی کھیل جاری

عابد انور

ملک میں کورونا وبا نے عام لوگوں کے ذہن کو ماؤف کردیا ہے، لوگوں میں سوچنے سمجھنے اور ہوش سنبھالنے کی سکت نہیں ہے، ہر طرف لاشوں کا انبار ہے، گنگا جمنا اپنے طاس میں ہزاروں لاشوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہے اور ریت ہے کہ لاشوں کو برہنہ کردے رہا ہے۔ اسی برہنگی کو ختم کرنے کے لئے گنگا کے کنارے مدفون لاشوں سے چنری اور کفن کھینچ لیا گیا، لاش کو آخری حق سے محروم کردیا گیا۔ یہ سب پولیس کی موجودگی میں ہوا تھا اور اس کا ویڈیو بھی وائرل ہوا تھا۔ اس سے ملک کو کس قدر شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا ہوگا اس کا صرف تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ گنگا اور جمنا کے کنارے تاحد نظر بھگوا چنری میں مدفون لاش ہی لاش نظر آ رہی تھی۔ یہ ان لوگوں کی لاشیں تھیں جن کے خاندان کے پاس آخری رسم ادا کرنے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ لاش کو جلانے کے لئے لکڑیاں نہیں تھیں، مرگھٹ، شمشان تک پہنچانے کے لئے ایمبولینس کے پیسے نہیں تھے۔ اس لئے کسی نے سائیکل پر، تو کسی نے ٹھیلے پر، تو کسی نے کاندھے پر، تو کسی کو کوڑا گاڑی پر، تو کسی لاش کو جے سی پی مشین سے گڈھے پھینک دیا گیا۔ پوری زندگی ذلت و رسوائی جھیلنے والے کو مرنے کے بعد بھی عزت کی آخری رسم نہیں ملی۔ لاشوں کی بے حرمتی کی جاتی رہی لیکن کوئی بھی ہندوتو کے ٹھیکدار سامنے نہیں آیا، نہ ہی ماب لنچنگ کرنے والے آئے، نہ ہی گورکشک آئے، نہ ہی بجرنگ والے آئے، نہ ہی ہندو سینا، کرنی سینا اور ہندوتو کے نام پر قائم درجنوں سینائیں آئیں، نہ ہی درگا واہنی کے لوگ آئے، نہ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کے لوگ آئے، نہ ہی مندر کے نام پر پورے ملک میں چندہ جمع کرنے والے، ہفتہ وصولی کرنے اور چندہ کے نام پر مسلمانوں کی زندگی اجیرن کرنے والے آئے۔ آر ایس ایس کی ذیلی تنظیموں کی تعداد سیکڑوں میں ہے، ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی ہندوؤں کی حفاظت کی کمان سنبھالنے والے کوئی سامنے آئے۔ سب کو بے سہارا چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے زیادہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ہندوتو کے نام پر ووٹ دیا تھا۔ گائے کے تحفظ، مسلمانوں کو مارنے، ان کی بہو بیٹیوں کی عزت نیلام کرنے کے نام پر لیڈروں کو منتخب کیا تھا۔ کچھ بھی ہوجائے مسلمانوں کا بھلا نہیں ہونا چاہئے اس کے نام پر ہیرو بنایا تھا اور ہندوستان میں ہر اس ہندو کو ہیرو بنایا گیا جس نے مسلمانوں کی دل آزاری، قتل، آبروریزی، اقتصادی نقصان، تعلیمی نقصان، ان کی جائداد کو تباہ و برباد، جائیداد پر قبضہ اور ہر طرح کے نقصان پہنچایا تھا۔ ہندوتو کے علمبردار جتنے بھی لیڈر ہیں سب کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے سنے ہوئے ہیں لیکن ہندوؤں میں سے اکثریت نے انہیں سر پر بٹھایا، تاج پہنچایا، اقتدار کی کرسی سونپی، اس امید کے ساتھ وہ مسلمانوں کو تخت و تاراج کر کے دم لیں گے۔ انہوں نے ایسا کیا بھی لیکن مسلمانوں کو برباد کرتے کرتے ہندوؤں کو بھی برباد کر بیٹھے اور اس قدر برباد کیا کہ ہندوؤں کو بے گور و کفن کردیا۔ ان کی لاشوں کی اس قدر بے حرمتی کی گئی کہ لاشیں کتے کھاتے پائے گئے، چیل کوے اور درندے نوچ نوچ کر کھاتے نظر آئے۔ دنیا کے میڈیا نے اس دلدوز منظر کو دکھایا اور پوری دنیا میں ہندوستان کی رسوائی ہوئی۔ یہ اس کے دور میں ہوا جو ملک میں رام راجیہ اور ہندو راشٹر عملاً لا چکے ہیں۔ اس وبائی دور میں بھی حکومت ہندو مسلم کرنے، مسلمانوں کے ساتھ امتیاز کرنے، لنچنگ کرنے والوں کی پیٹھ تھپتھپانے، مسلم نوجوانوں اور بچوں پر حملے روکنے میں ناکام ہے۔ کیوں کہ اسے احساس ہے کہ جس قدر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائیں گے ہندو اس کے حق میں اتنا ہی زیادہ ووٹ دیں گے۔ اتر پردیش میں اسمبلی انتخابات کو آٹھ مہینے رہ گئے ہیں اور حکومت اور ہندوتو کے کارندے مسلمانوں کے خلاف کھل میدان میں آچکے ہیں۔

گزشتہ دو تین ہفتوں کے دوران متعدد مسلم دشمن واقعات انجام دیے جاچکے ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حکومت اتر پردیش انتخاب میں فتح حاصل کرنے کے لئے ہندو ووٹوں کی صف بندی پر سنجیدگی سے کام کرنا شروع کردیا ہے۔ حالیہ دنوں میں سب سے افسوسناک سانحہ اتر پردیش کے ضلع بارہ بنکی کی تحصیل رام سنیہی گھاٹ کے احاطے میں واقع قدیم مسجد کا ہے جسے انتظامیہ نے رات میں منہدم کردیا اور ثبوت مٹانے کے لئے اس کا ملبہ مختلف دریاؤں میں بہادیا۔ کیوں کہ یہ سب سے بڑا ثبوت تھا اور اس مسجد میں استعمال کی گئی اینٹیں سو سال پرانی تھیں۔ انتظامیہ کی اس کارروائی کے بعد مذہبی علماء کرام نے تحصیل انتظامیہ کی شکایت ضلع مجسٹریٹ کے ذریعہ وزیراعلیٰ سے بھی کی ہے، مسجد کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ مسجد کو منہدم کرتے وقت ہائی کورٹ کے احکامات کو بھی طاق پر رکھ دیا گیا ہے۔ مسجد کے پیروکاروں کے مطابق رام سنیہی گھاٹ تحصیل کے احاطے میں واقع مسجد خواجہ غریب نواز کو تحصیل انتظامیہ نے مارچ میں غیر قانونی بتا کر اس میں نماز پر پابندی عائد کردی تھی۔ اس کے لیے تحصیل انتظامیہ نے ہائی کورٹ کے اس حکم کا حوالہ دیا تھا جس میں عوامی جگہوں پر واقع عبادت گاہوں کو ہٹانے کو کہا گیا تھا، اس کے لیے انتظامیہ نے مسجد کمیٹی کو نوٹس بھیج کر جواب طلب کیا تھا۔ مسجد کمیٹی نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور دعویٰ کیا تھا کہ مسجد آزادی کے وقت سے قائم ہے، انتظامیہ کے دستاویز میں بھی اس کا اندراج ہے اور سنی سینٹرل وقف بورڈ میں بھی وہ رجسٹرڈ ہے لیکن اس کے باوجود انتظامیہ نے وہاں نماز کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس کے بعد یہ معاملہ جب ہائی کورٹ پہنچا جہاں مسجد کے پیروکاروں نے مسجد کو منہدم کرائے جانے کا خدشہ ظاہر کیا تھا لیکن ہائی کورٹ نے اپنے آبزرویشن میں یہ واضح کردیا تھا کہ مسجد کو منہدم کرنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، مسجد کو مسمار کردیا گیا، مسجد منہدم کی کارروائی کرنے سے قبل انتظامیہ نے ہائی کورٹ کے اس حکم کی بھی پرواہ نہیں کی جس میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ تمام جگہوں پر انہدام کی کارروائی کووڈ-19 کے باعث 31 مئی تک ملتوی کردی جائے، ہائی کورٹ کا حکم 2011 کے بعد عوامی مقامات پر بنے عبادت گاہوں کے متعلق تھا۔ مسجد غریب نواز سو سال پرانی تھی۔ یہ اس وقت بنی تھی جب تحصیل بھی نہیں تھی۔ اس لئے منہدم کردی گئی کیوں کہ ہندوتو کے علمبرداروں کو خوش کرنا اور ووٹوں کی صف بندی کرنا تھا۔ اسی کے ساتھ مظفر نگر کے کھتولی میں وقف بورڈ بنی مسجد کو سرکاری زمین پر بتا کر انتظامیہ نے شہید کردیا تھا۔ اس کے علاوہ سہارنپور کے رامپور منیہاران میں روڈ چوڑا کرنے کے نام پر سو سالہ قدیم کو مسجد کو شہید کردیا گیا جب کہ روڈ میں تھوڑا سا حصہ آرہا تھا؛ لیکن انتظامیہ نے پوری مسجد شہید کردی۔ گزشتہ ایک ماہ کے دوران متعدد مساجد، مسلم نوجواوں، بچوں اور خواتین پر حملے ہوچکے ہوں۔

پولیس حراست میں قتل کا واقعہ اتر پردیش کے ضلع اناؤ کے بانگر مؤ کوتوالی علاقے کا ہے۔ سبزی فروش فیصل حسین کو پولیس نے کورونا کرفیو کی خلاف ورزی کے الزام میں حراست میں لیا۔ فیصل کو ان کے لواحقین اور انچارج انسپکٹر کے سامنے پیٹا گیا۔ سبزی بیچنے والے نوجوان کے پوسٹ مارٹم میں انکشاف ہوا ہے کہ سر میں چوٹ لگنے سے موت ہوئی۔ انڈین ایکسپریس کے مطابق، تھانہ بنگر ماؤ کے سی سی ٹی وی میں دیکھا گیا ہے کہ فیصل حسین (18) کو کچھ نامعلوم افراد گھسیٹتے ہوئے لے جارہے ہیں۔ وہ بار بار گررہے ہیں۔ اس معاملے میں ملزمان کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعہ 302 (قتل) کے تحت مقدمہ درج کیا گیا ہے، جس میں کانسٹیبل وجے چودھری اور سیماوت اور ہوم گارڈ ستی پرکاش ملزم ہیں۔ ایف آئی آر میں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انچارج انسپکٹر کے سامنے متوفی کے لواحقین کو پیٹا گیا۔ کنبے نے بتایا تھا کہ 18 سالہ سبزی بیچنے والا فیصل حسین کو پولیس نے مبینہ طور پر جمعہ کے روز سہ پہر کو حراست میں لیا تھا اور اس نے اس قدر بے رحمی سے پیٹا تھا کہ اس کی موت ہوگئی۔ مسٹر کلکرنی نے انڈین ایکسپریس کو بتایا، 'ویڈیو میں یہ واضح طور پر نظر آرہا ہے کہ جب وہ تھانے آتے ہیں تو وہ گر جاتے ہیں۔ وہ پھر اٹھایا جاتا ہے، لیکن وہ پھر گر جاتے ہیں۔ اس کے بعد، کچھ پولیس اہلکار انہیں پانی دیتے ہیں۔ یہ سارا واقعہ سی سی ٹی وی فوٹیج میں درج ہے۔ اسی دوران کچھ کنبے والے آتے ہیں۔ ایس پی نے مزید کہا، 'میں نے سی سی ٹی وی فوٹیج میں بھی دیکھا ہے کہ پولیس والے انھیں دکان پر تھپڑ مار رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں ڈنڈے یا کسی اور چیز سے نہیں مارا۔ تاہم، لواحقین نے بتایا ہے کہ عینی شاہدین نے واضح طور پر بتایا ہے کہ پولیس اہلکاروں نے بلاوجہ حسین کو پکڑ لیا، انہیں بے دردی سے مارا پیٹا گیا اور موٹر سائیکل کے ذریعہ تھانے لے جایا گیا۔ شکایت میں کہا گیا ہے، 'جب کنبہ کے افراد پولیس اسٹیشن پہنچے تو انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ پولیس اہلکار وہاں سے فرار ہوگئے تھے۔ جاگرن کی رپورٹ کے مطابق اناؤ: پولیس تحویل میں سبزی بیچنے والے کی ہلاکت کے معاملے میں پوسٹ مارٹم رپورٹ سے سنسنی میں اضافہ ہوگیا۔ اس نوجوان کی سر میں شدید چوٹ کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی جب اسے بے دردی سے مارا پیٹا۔ اس نوجوان کی کمر پر زخمی ہونے کے مزید 13 نشانات بھی ملے ہیں۔ شاید اسے لاٹھیوں یا ڈنڈوں سے پیٹا گیا ہے۔ کل تک پولیس پٹائی سے انکار کررہی تھی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد وہ کٹہرے میں کھڑی نظر آرہی ہے اور اس کا گناہ چیخ چیخ کر بول رہا ہے۔ مقتول فیصل کو پولیس نے اپنے بوٹ سے سر کو کچل دیا تھا فیصل چیخ چلا رہا ہوگا لیکن سپاہی کے دل میں ذرا بھی رحم نہیں آئی ہوگی۔ صرف تصور کرسکتے ہیں کہ سپاہی کے دل میں مسلمانوں کے خلاف کس قدر نفرت تھی۔ سپاہی کوئی پکا عمر والا نہیں بلکہ نوجوان ہے۔ اس کی نفرت نے فیصل کی جان لے لی۔ سپاہی وجے چودھری بھی ایک ہندوؤں کا ہیرو بن جائے گا۔ اس کے علاوہ اتر پردیش حالیہ دنوں مسلم بچوں کے ماب لنچنگ کے متعدد واقعات پیش آچکے ہیں۔

ہریانہ میں ماب لنچنگ کے واقعات پھر سے شروع ہوگئے ہیں۔ کیوں کہ اب تک ماب لنچنگ میں ماخوذ کسی کو بھی سزا نہیں ہوئی ہے اس لئے ہندوتو کے علمبرداروں کے حوصلے پسند ہیں۔ ہو بھی کیوں کہ اس کے پیچھے پارٹی، انتظامیہ کھڑی ہے۔ انڈیا ٹوڈے کی خبر کے مطابق، سولہ مئی کی رات کو جم ٹرینر آصف اپنے دو کزنز کے ساتھ دوپہر سوہنا دوا لینے جارہا تھا۔ رات کو نو بجے کے لگ بھگ تین ایس یو وی گاڑیوں میں موجود افراد نے آصف اور اس کے بھائیوں کو گھیر لیا۔ موٹر سائیکل سے ٹکرانے کے بعد، تینوں زمین پر گر پڑے اور پھر تینوں پر لاٹھیوں سے حملہ کردیا۔ آصف موقع پر ہی دم توڑ گیا، جبکہ دو دیگر شدید زخمی ہوگئے۔ آصف کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ یہ ماب لنچنگ کا واقعہ تھا۔ ان کے بیٹے کو بھی گولی لگی ہے۔ اس معاملے میں ملزم کی شناخت کا دعویٰ کیا ہے۔ پولیس نے بتایا ہے کہ جن لوگوں نے یہ واقعہ کیا ہے وہ آڈوانی، کالو، رشی، کلدیپ، سندیپ، مہندر تھے۔ اس کے علاوہ کچھ ملزمان کا تعلق عطا بارونڈھا اور کھیڑا خلیل پور سے تھا۔ آصف خاں کے قاتلوں میں بچانے کے لئے ہریانہ کے اندری گاؤں میں کرنی سینا نے مہا پنچایت کا انعقاد کیا جس میں پچاس ہزار سے زائد لوگ کورونا پروٹوکول کی دھجیاں اڑاتے ہوئے اکٹھے ہوئے۔ کرنی سینا کے سربراہ سورج پال امو نے کھلم کھلا چیلنج کیا اور آصف کے قتل کو جائز ٹھہرایا۔ انہوں نے آصف کے قاتلوں کے حوصلے بڑھاتے ہوئے ان کے حق میں کھڑے ہونے کی اپیل کی۔ کرنی سینا کی مہا پنچایت نے کٹھوعہ کی آصفہ اجتماعی آبروریزی کی یاد تازہ کردی جس میں ملزمین کے حق میں بی جے پی کے منتری سنتری اور بڑے بڑے لیڈر ریلی نکال رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اتنی بھیڑ کیسے اکٹھی ہوگئی، پولیس کیا کررہی تھی، انتظامیہ کیوں سوئی تھی اور جان بوجھ کر نفرت پھیلانے کی چھوٹ دی گئی تھی؟ اگر کوئی مسلمان کسی اس طرح کی بھیڑ جمع کرتا تو پولیس اور انتظامیہ کیا کارروائی کرتی، عدالت کا رویہ کیا ہوتا، پورا میڈیا کس قدر مسلمانوں کے خلاف مہم چلاتا۔ کتنے سنگین دفعات کے تحت مقدمے درج کئے جاتے۔ مسلمانوں کو اپنا دفاع خود کرنا ہوگا، کوئی ان کو بچانے کے لئے نہیں آئے گا۔ مسلمانوں کے حق میں کوئی آواز اٹھانے والا نہیں ہے اور نہ پولیس، نہ مقننہ، نہ انتظامیہ، نہ عدالت اور نہ میڈیا اس کے حق میں آواز اٹھائے گا۔

دعاء مغفرت

امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کے ایک بڑے مخلص جناب سید معین الدین احمد، آنند بازار کنٹونمنٹ داناپور پٹنہ، مختصر علالت کے بعد رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، ان کی عمر ۸۶؍سال تھی، مرحوم ایک دیندار اور متبع سنت انسان تھے، امارت شرعیہ اور اس کے اکابر سے عقیدتمندانہ تعلق رکھتے تھے، وہ جناب حاجی ابوالحسنات صاحب کے رشتہ دار بھی تھے، قارئین کرام سے مرحوم کے لئے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر و ثبات کی توفیق بخشے (آمین)

Scanned with CamScanner

سی اے اے (شہریت ترمیمی قانون) کے ذریعہ چور دروازے سے شہریت دینے کی مذموم کوشش

چونکہ مرکزی حکومت نے شہریت ترمیمی قانون 2019 کے مستفیدین سے متعلق اعداد و شمار ظاہر نہیں کیے ہیں، اس لیے ایسا اندیشہ ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کا انتظار کیے بغیر اس کا فائدہ پچھلے دروازے سے دیا جائے گا۔

ایم آر شمشاد ایڈووکیٹ

2015 میں مرکزی حکومت نے پاسپورٹ (ہندستان میں داخلہ) ایکٹ 1920 اور رولز 1950 کے تحت اپنے اختیارات کا استعمال کیا اور ہندو، سکھ، جین، بودھ، پارسی اور عیسائی مذہب کے لوگ جو بنگلہ دیش اور پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں ان کو پاسپورٹ (ہندوستان میں داخلہ) ایکٹ 1920 کے منفی تعزیرات کے نتائج سے مستثنیٰ کر دیا۔ دریں اثناء 2015 میں ہی حکومت نے فارنرز ایکٹ 1946 کے تحت بھی اپنے اختیارات کا استعمال کیا اور ایک نوٹیفکیشن جاری کر کے فارنرز آرڈر 1948 میں ترمیم کردی۔

اس ترمیم کی رو سے بنگلہ دیش اور پاکستان سے تعلق رکھنے والے ہندوؤں، سکھوں، جینوں، بودھسٹوں، پارسیوں اور عیسائیوں کو فارنرز ایکٹ 1946 کے دائرہ سے باہر کردیا گیا، اور ان کے لیے متعینہ مدت سے زیادہ ہندستان میں رہنے کی اجازت کا حکم نامہ جاری کردیا گیا۔ 2016 میں اس فہرست میں افغانستان کو بھی شامل کرلیا گیا۔

تقریباً اسی زمانے میں مرکزی حکومت نے من مانے طور پر منتخب پڑوسی ممالک سے آنے والے ان مخصوص مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو شہریت دینے کا عمل شروع کردیا تھا۔ اور بالآخر لوک سبھا میں 19 جولائی 2016 کو شہریت ایکٹ 1955 کے اندر ترمیمات کو متعارف کرایا گیا، ان ترمیمات کو جوائنٹ پارلیامنٹری کمیٹی (جے پی سی) کے سپرد کردیا گیا۔ مرکزی حکومت نے جے پی سی کو بتایا کہ اقلیتی طبقات سے تعلق رکھنے والے 31,313 (اکتیس ہزار تین سو تیرہ) ایسے افراد کو طویل مدتی ویزا دیا گیا ہے جنہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہیں مذہبی بنیاد پر ان کے ملک میں ستایا جا رہا ہے، اور وہ ہندوستانی شہریت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

لہٰذا؛ حکومت کے کہنے کے مطابق ان ترمیمات کا فوری فائدہ انہیں افراد کو ہوگا۔ بالآخر یہ ترمیمات سال 2019 میں منظور ہوگئیں، لیکن اس کے بعد، حکومت نے سی اے اے 2019 کے طور پر منظور ہونے والے اس قانون کے ممکنہ مستفیدین کی متوقع تعداد بتانے سے بہت احتیاط کے ساتھ گریز کرتی رہی۔

سی اے اے 2019 اور 2015 کے نوٹیفکیشن میں جو بات قدر مشترک ہے وہ یہ ہے کہ دونوں میں غیر ملکی شہریوں کو فائدہ دینے کی بنیاد مذہب اور علاقہ پر رکھی گئی ہے۔ دونوں میں سے بڑا فرق یہ ہے کہ 2015 کا نوٹیفکیشن عارضی اقدامات کے لیے تھا جب کہ سی اے اے 2019 ایک خاص طبقہ کے غیر ملکی شہریوں کو شہریت دے کر کے ان کو مستقل فائدہ پہونچانے کی غرض سے لایا گیا ہے۔

شاید 2015 کے نوٹیفکیشن کی عارضی نوعیت کی وجہ سے 2016 میں حکومت نے یہ مناسب سمجھا کہ پارلیامنٹ کی منظوری اور جے پی سی کے مباحثہ میں الجھنے کے بجائے اس پر ایک حاکمانہ اقدام کیا جائے، جیسا کہ اس نے سی اے اے کے معاملہ میں کیا۔

2019 کی ترمیمات سے پہلے 1955 کے قانون میں 1957 سے 2015 کے درمیان 9 ترمیمات ہوچکی تھیں، لیکن علاقہ اور مذہب کے تعلق سے یہ قانون غیر جانبدار تھا۔ شہریت ترمیمی قانون 2019 میں پہلی بار حکومت نے مذہب اور علاقہ کو غیر ملکی شہریوں کو شہریت دینے کی بنیاد کے طور پر منتخب کیا۔

2015 کے نوٹیفکیشن کی قانونی حیثیت اور سی اے اے 2019 کے خلاف سپریم کورٹ آف انڈیا میں تقریباً 200 رٹ پٹیشنز زیر سماعت ہیں۔ انہیں دیگر اہم قوانین مثلاً تین طلاق کو مجرمانہ سرگرمی قرار دینا، یو اے پی اے میں ترمیم، کشمیر مسئلہ وغیرہ کی طرح ٹھوس سماعت کا موقع نہیں ملا۔ یہ سبھی قوانین مسلم مخالف بیان بازی اور استبداد پسندی کی تشہیر کرتے ہیں۔

دوسری جانب یہ بھی قابل غور ہے کہ سپریم کورٹ نے قومی اہمیت کے دیگر کئی اہم اور غیر اہم معاملوں میں ترجیحی بنیاد پر سنوائی کی اور ان معاملوں کو اہم ترین معاملوں کی فہرست میں شامل کرنے کے لیے انتظامی سطح پر یا عدالتی احکامات جاری کیے۔ مثال کے طور پر سنٹرل وسٹا، مراٹھا ریزرویشن، ٹاٹا اینڈ مستری، وکیل پرشانت بھوشن کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی وغیرہ سے متعلق معاملات کی فوری سنوائی کی گئی۔ اور آخر کار ان معاملات کو سپریم کورٹ میں ورچوئل سماعت (آن لائن سماعت) کے ذریعہ نمٹایا گیا۔

سی اے اے 2019 لانے کی درج کی گئی وجوہات:

غیر ترمیم شدہ شہریت قانون 1955 کی دفعہ 5 کے مطابق اگر کوئی شخص ''غیر قانونی تارک وطن'' نہیں ہے تو وہ شہریت کے حصول کی درخواست دے سکتا ہے۔ سی اے اے 2019 نے ''غیر قانونی تارک وطن'' کی تعریف کو بدل کر رکھ دیا اور یہ کہا کہ ''کوئی شخص جو ہندو، سکھ، بودھ، جین، پارسی یا عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور وہ افغانستان، بنگلہ دیش یا پاکستان کا باشندہ ہو اگر وہ 31 دسمبر 2014 سے پہلے ہندوستان میں داخل ہوا ہے اور جس کو مرکزی حکومت کے ذریعہ پاسپورٹ (ہندوستانہ میں داخلہ) ایکٹ 1920 کی دفعہ 3 کی ذیلی دفعہ (02) کے شق (C) کے تحت مستثنیٰ کیا گیا ہو یا اس کو فارنرز ایکٹ 1946 کے ضوابط کے نفاذ سے مستثنیٰ کیا گیا ہو، یا اس قانون کے تحت آنے والے کسی بھی حکم یا ضابطہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہو، اس کو اس قانون کی رو سے ''غیر قانونی تارک وطن'' قرار نہیں دیا جائے گا۔''

سی اے اے 2019 نے مذکورہ قانون کی دفعہ 6 میں بھی ترمیم کی اور اس میں دفعہ 6B کا اضافہ کیا۔ لہٰذا اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے دراصل یہ ترمیم موجودہ قانون کی دفعہ 5 اور دفعہ 6 میں ترمیم ہے۔ 12 دسمبر 2019 کو سی اے اے 2019 کا نوٹیفکیشن آنے کے بعد سی اے اے 2019 کے تحت کی گئی تمام ترمیمات 1955 کے موجودہ ایکٹ میں ضم کردی گئیں۔ اس کے بعد تمام حوالہ جات ''شہریت ایکٹ 1955'' کی طرح ہوں گے۔

سی اے اے 2019 کا اصل مقصد اور غرض و غایت جو بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ غیر ترمیم شدہ شہریت ایکٹ کے ضابطوں کے مطابق ہندو، سکھ، بودھ، جین، پارسی یا مسیحی برادری سے تعلق رکھنے والے افغانستان، پاکستان یا بنگلہ دیش سے نقل مکانی کر کے آنے والے تارکین وطن جو بغیر کسی قانونی سفری دستاویز کے ہندوستان میں داخل ہوئے ہوں، یا ان کے دستاویزات کی مدت ختم ہوچکی ہو، انہیں غیر قانونی تارک وطن سمجھا جاتا تھا اور وہ اس قانون کی دفعہ 5 اور دفعہ 6 کے مطابق ہندوستانی شہریت حاصل کرنے کے لیے درخواست دینے کے اہل نہیں تھے۔

لیکن اب سی اے اے 2019 کے ذریعہ حکومت نے مذکورہ تارکین وطن جنہیں 2015 اور 2016 کی نوٹیفکیشن کے ذریعہ فائدہ دیا گیا ہے ان کو ہندوستانی شہریت حاصل کرنے کا اہل قرار دینے کی تجویز رکھی ہے۔

اپنے اس موقف کے جواز میں مرکزی حکومت نے سپریم کورٹ میں داخل اپنے ایفی ڈیوٹ میں یہ ذکر کیا ہے کہ سی اے اے ایک خصوصی ترمیم ہے جس کا مقصد چند مخصوص ملکوں میں کثرت سے چھائے ہوئے خصوصی مسائل کو حل کرنا ہے؛ یعنی مذہب کی بنیاد پر ظلم و ستم جس کو ان مخصوص ملکوں میں غیر متنازعہ طور پر اور پارلیامنٹ کے ذریعہ آئینی حیثیت حاصل ہے۔ گذشتہ سات دہائیوں کے دوران مذکورہ امور کا جائزہ لینے اور تین مخصوص ممالک میں اقلیتوں کے تسلیم شدہ طبقے کو مدنظر رکھنے کے بعد سی اے اے 2019 نافذ کیا گیا ہے۔ لہٰذا، ''سی اے اے ایک مخصوص وضع کردہ قانون ہے جس کا مقصد مخصوص مسئلے کو حل کرنا ہے۔''

شہریت دینے کا تازہ اعلامیہ:

مرکزی حکومت کا ایک اعلامیہ 28 مئی 2021 کو جاری ہوا جس میں یہ ہدایت ہے کہ اس قانون کے تحت نافذ العمل اختیارات سے شہریت قانون 1955 کی دفعہ (5) کے تحت کسی بھی ایسے شخص کو جو افغانستان، بنگلہ دیش اور پاکستان میں اقلیتی برادری سے تعلق رکھتا ہو یعنی وہ ہندو، سکھ، بودھ، جین، پارسی اور عیسائی مذہب کا ماننے والا ہو، اسکو ہندوستانی شہری کے طور پر رجسٹریشن کرانے کی، یا دفعہ 6 کے تحت قدرتی طور پر شہریت کی سند عطا کرنے کی کارروائی کلکٹر یا سکریٹری کی معرفت ہوگی، اور درخواست کی جانچ کرنے کے بعد اور یہ تشفی کر لینے کے بعد کہ درخواست گزار شہریت پانے کا اہل ہے، ان کو شہریت دے دی جائے گی، رجسٹریشن کے ذریعہ یا قدرتی طور پر شہری ہونے کی سند جاری کرنے کے ذریعہ۔

حکومت کے یہ سارے اقدامات سی اے اے 2019 کے تحت ہی ہو رہے ہیں۔ مزید برآں اگر کوئی شخص خاص طور پر حکومت کی جانب سے سی اے اے 2019 لانے کا جو مقصد بیان کیا گیا ہے اور سی اے اے کے تعلق سے حکومت کے دفاع میں جو دستاویز پیش کیے گئے ہیں اس کو پڑھے گا تو اس کے سامنے ساری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ خود حکومت کے موقف کے مطابق ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس طرح کی طبقاتی شہریت دینے کا کوئی دوسرا قانونی طریقہ کار ایسا نہیں ہے جیسا اس نوٹیفکیشن کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔

ابھرتے ہوئے نتائج:

سب سے پہلی بات، یہ پورا معاملہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے، کوئی بھی ذمہ دار حکومت اس طرح کا کام نہیں کرے گی؛ یہ اچھی طرح جانتے ہوئے کہ ان درخواست گزاروں کو جو فائدہ دے دیا جائے گا اس کو بعد میں واپس نہیں لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ (بعد میں) کورٹ متعدد وجوہات کی بنیاد پر اس عمل کو باقی رہنا نہ چاہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ ایک من مانا عمل ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کوئی ضابطہ موجود نہیں ہیں کہ ''موزوں'' درخواست دہندہ کون ہے؛ جیسا کہ نوٹیفکیشن میں کہا گیا ہے۔ کیا یہ طے کرنے کے لیے کوئی گائڈ لائن ہے کہ واقعی درخواست دہندگان کو ''ستایا'' گیا تھا یا کلکٹر کس بنیاد پر یہ طے کرے گا کہ وہ 31 دسمبر 2014 سے پہلے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ یہ افراتفری کا باعث بنے گا، اور تمام کلکٹر اپنی صوابدید پر مختلف پیمانے اپنائیں گے۔ چونکہ مرکزی حکومت نے شہریت ترمیمی قانون 2019 کے مستفیدین سے متعلق اعداد و شمار ظاہر نہیں کیے ہیں، اس لیے ایسا اندیشہ ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کا انتظار کیے بغیر اس کا فائدہ پچھلے دروازے سے دیا جائے گا۔ اس عمل میں مسلمانوں کے علاوہ ہر مشکوک شخص کو شہریت دے دی جائے گی۔ اور مسلمانوں کو صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے شہریت سے محروم کیا جائے گا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پچھلے دروازے سے غیر قانونی اور من مانی حاکمانہ کارروائی کے ذریعہ، حکومت سپریم کورٹ میں اس معاملے کے التواء کے دوران پوری بحث کو ایک فضول مشق بنانے کی طرف گامزن ہے۔ اگر اس کی اجازت دے دی گئی، تو بعد میں حکومت کہہ سکتی ہے کہ ہم نے اپنا مطلوبہ ہدف حاصل کرلیا ہے اور سپریم کورٹ میں زیر التوا معاملہ بے فائدہ اور بے بنیاد ہو کر رہ جائے گا اور اس کو چارو ناچار تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

(مضمون نگار سپریم کورٹ کے وکیل ہیں؛ مضمون میں ظاہر کیے گئے خیالات ان کے ذاتی ہیں اور آؤٹ لُک میگزین کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔)

اعلان داخلہ

مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (پارامیڈیکل) امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (پارامیڈیکل) امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے شعبہ پیتھالوجی کے ڈپلوما کورس (D.M.L.T) میں داخلہ جاری ہے، یہ کورس دو سالہ ہے، اور حکومت بہار کے محکمۂ صحت سے مستقل منظور ہے، فزکس، کیمسٹری، بایولوجی اور انگریزی کے ساتھ بارہویں پاس طلبہ داخلہ کے لئے درج ذیل نمبرات پر رابطہ کر کے مزید تفصیل معلوم کرسکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فقط

سہیل احمد ندوی

سکریٹری پارامیڈیکل، امارت شرعیہ، پٹنہ

رابطہ نمبر: 8873771070,7250222587,9334338123

Scanned with CamScanner

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

بیت المقدس کی حفاظت اور آزادی کیلئے مسلمان ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار رہیں

تحفظ القدس کانفرنس سے ملک کے نوجوان قائدین کا ولولہ انگیز خطاب

مرکز تحفظ اسلام ہند نے گزشتہ دنوں "مسجد اقصی سازشوں کے گھیرے میں" کے عنوان پر ایک عظیم الشان آن لائن تحفظ القدس کانفرنس مرکز تحفظ اسلام کے سرپرست اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی کی صدارت میں منعقد کیا۔ جس میں ملک کے مختلف اداروں، تنظیموں اور تحریکوں کے نوجوان قائدین و ذمہ داران نے شرکت کی۔ اپنے صدارتی خطاب میں حضرت مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے فرمایا کہ مسجد اقصی سے ہمارا ایمانی اور روحانی تعلق ہے۔ مسجد اقصی ہمارا قبلہ اول ہے۔ معراج کے سفر کی اولین منزل مسجد اقصی تھی اور وہیں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ قرآن و حدیث میں اس سرزمین کی بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ مولانا رحمانی نے فرمایا کہ بیت المقدس اور ارض فلسطین کی حفاظت اور آزادی کیلئے مسلمانوں کو ہر طرح کی قربانی دینی چاہیے۔ کیونکہ یہ فقط اہل فلسطین کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلام کی تاریخ قربانیوں کی تاریخ ہے اور اسلام میں بزدلی و احساس کمتری کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اہل فلسطین نے ہر دور میں اغیار کو شکست فاش دیکر امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا ہیکہ جو اللہ کی راہ میں چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ انکی مدد و نصرت فرماتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اسرائیل کا ظالمانہ چہرہ اور نام نہاد اسلامی ممالک کا منافقانہ چہرہ لوگوں کے سامنے لایا جائے اور پوری دنیا کو بیت المقدس اور فلسطین کی تاریخ اور حقائق سے واقف کروائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ پوری ملت اسلامیہ کو اس پر فکر مند ہونا چاہیے اور اس مسئلے کو پورے عالم اسلام کا مسئلہ بنانا چاہئے۔ انہوں نے فرمایا کہ عالمی اداروں اور حقوق انسانی تنظیموں کی خاموشی پر ہمیں اپنا احتجاج درج کروانا چاہئے۔ اسی کے ساتھ ہمیں چاہیے کہ ہم اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں اور انکی فہرست کو مختلف زبانوں میں تیار کرکے پوری دنیا میں عام کریں۔ مولانا عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے فرمایا کہ ہم ہر وقت اہل فلسطین کے ساتھ کھڑے ہیں، انکے غم و افسوس اور جدوجہد میں برابر کے شریک ہیں اور انکی ہمت و جرأت اور عزیمت کو ہم سلام پیش کرتے ہیں۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت حضرت مولانا شمشاد رحمانی صاحب نے فرمایا کہ مسجد اقصی اور فلسطین کا مسئلہ جہاں شرعی اور مذہبی مسئلہ ہے وہیں پوری انسانیت کا مسئلہ ہے، فلسطین میں اسرائیلی افواج کی جانب سے ظلم و بربریت کا جو ننگا ناچ کھیلا جارہا ہے وہ انسانیت کا قتل عام ہے؛ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ مسلم حکمراں خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، ان کے اندر اسلامی حمیت و غیریت مرچکی ہے، مولانا رحمانی نے فرمایا کہ بیت المقدس اور مسئلہ فلسطین کو زندہ رکھا جانا بہت ضروری ہے اور اس سلسلے میں عوامی بیداری کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ ہمیں چاہیے کہ اس ظلم و بربریت کے خلاف اقوام متحدہ اور عالمی حقوق انسانی کونسل پر دباؤ بنائیں۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے دارالمبلغین لکھنؤ کے استاذ حضرت مولانا عبدالباری فاروقی صاحب نے فرمایا کہ اہل فلسطین دنیا کے مظلوم ترین مسلمان ہیں، اور یہودی اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں؛ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ کچھ نام نہاد مسلم حکمران ان کا ساتھ دے رہے ہیں، مولانا فاروقی نے فرمایا کہ اہل فلسطین تن تنہا ان ظالموں کے خلاف لڑ رہے ہیں اور بیت المقدس کی حفاظت کررہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ مسجد اقصی کی حفاظت پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے، لہٰذا! ہمیں چاہیے کہ ہم اہل فلسطین کا ہر ممکن تعاون کریں۔ اس موقع پر صفا بیت المال انڈیا کے صدر حضرت مولانا غیاث احمد رشادی صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی نسلوں کو مسجد اقصی اور فلسطین کی تاریخ سے واقف کروائیں اور ممکن ہو تو اس کا سفر بھی کریں۔ مولانا نے فرمایا کہ اسرائیل کا بیت المقدس اور فلسطین پر ناجائز قبضہ، مقدس مقامات کی بے حرمتی اور وہاں کے باشندوں پر ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرنے میں عالمی طاقتیں برابر کی شریک ہیں؛ مولانا نے فرمایا کہ ان شاءاللہ اہل فلسطین کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، حالات بدلیں گے اور فلسطین اور بیت المقدس عنقریب آزاد ہوگا۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے نائب ناظم حضرت مولانا مفتی عمر عابدین قاسمی مدنی نے فرمایا کہ ضرورت ہے کہ فلسطین کے مسئلہ کو ایک انسانی مسئلے کی حیثیت سے پیش کیا جائے اور پوری دنیا کے انصاف پسند لوگوں کو اس تحریک کا حصہ بنایا جائے، نسل نو کو اسکی تاریخ سے واقف کروایا جائے، اسی کے ساتھ ہر سال بڑے پیمانے پر ملک میں یوم القدس منایا جائے تاکہ اس کے ذریعے امت میں بیداری پیدا ہو، اور وقتاً فوقتاً بیت المقدس کے متعلق اجلاس و جمعہ کے خطبات کے ذریعہ امت کو آگاہ و بیدار کیا جاے، مولانا نے فرمایا کہ ملک کی تمام ملی و سماجی تنظیمیں کو چاہیے کہ وہ ایک سرکولر جاری کریں کہ تمام مسلم ادارے اپنے نصاب میں القدس کا موضوع شامل کریں، اسی کے ساتھ سوشل میڈیا کی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے اسرائیل کو بے نقاب کیا جائے۔ قابل ذکر ہے کہ اس موقع پر حضرت مولانا محمد ریاض الدین مظاہری صاحب بطور مہمان خصوصی شریک تھے۔

یہ آن لائن تحفظ القدس کانفرنس مرکز تحفظ اسلام ہند کے ڈائریکٹر محمد فرقان کی نگرانی اور جمعیۃ علماء رائچور کے صدر مفتی سید حسن ذیشان قادری قاسمی کی نظامت میں منعقد ہوئی، کانفرنس کا آغاز مرکز کے آرگنائزر حافظ محمد حیات خان کی تلاوت اور مرکز کے رکن حافظ محمد عمران کے نعتیہ اشعار سے ہوا، جب کہ مرکز کے رکن شوریٰ مولانا محمد طاہر قاسمی نے تمام مہمانوں کا استقبال کیا اور مرکز کی خدمات پر مختصر روشنی ڈالی، اس موقع پر مرکز کے رکن شوریٰ قاری عبدالرحمن الخبیر قاسمی بستوی بھی شریک رہے، تمام علماء کرام نے اس کانفرنس کو وقت کی اہم ترین ضرورت بتایا۔ مرکز کے ڈائریکٹر محمد فرقان نے تمام مقررین و سامعین اور مہمانان خصوصی کا شکریہ ادا کیا اور صدر اجلاس مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب کی دعا پر یہ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

سرزمین دہلی پر حضرت نائب امیر شریعت کا شاندار استقبال

ملک کی راجدھانی دہلی کے علاقہ نبی کریم میں بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت اور دار العلوم وقف دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب مدظلہ العالی کے امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت منتخب ہونے پر اہل دہلی کی جانب سے ایک استقبالیہ تقریب مورخہ ۸رجون ۲۰۲۱ء کو جناب مولانا عبدالسبحان صاحب قاسمی کی صدارت اور مفتی احمد نادر قاسمی ناظم اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کی سرپرستی میں منعقد ہوئی۔ اس استقبالیہ پروگرام میں دہلی اور مضافات کے علماء و دانشوران بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور حضرت مولانا کو اس بڑی ذمہ داری کے لیے مبارک باد دی اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر مولانا ق۔ اشرف صاحب نے امارت شرعیہ کی سوسالہ تاریخ کے تمام امراء و نائبین امراء شریعت کے ناموں پر مشتمل مومنٹو پیش کرکے آپ کا استقبال کیا۔ اپنے صدارتی خطاب میں مولانا عبد السبحان قاسمی صاحب حضرت نائب امیر شریعت کی قائدانہ بصیرت، علمی تفوق اور اعلیٰ کردار کی ستائش کی اور کہا کہ مولانا کا انتخاب من جانب اللہ ہے، اللہ اسے قبول فرمائے۔ تقریب میں دیگر علماء کرام کے ساتھ ساتھ جناب مولانا مفتی احمد نادر قاسمی اور مولانا عبداللہ عمیس قاسمی صاحب کا خصوصی خطاب ہوا۔ مفتی احمد نادر قاسمی صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ شخصیتیں آتی جاتی رہتی ہیں، مگر اخلاص سے قائم کردہ ادارے امارت شرعیہ کی طرح ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس پرفتن دور اور زوال علم کے زمانے میں مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نوراللہ مرقدہ نے جن کو نائب امیر شریعت منتخب کیا ہے، ان میں بے شمار کمالات اور حالات حاضرہ سے مقابلہ کرنے کی خداداد صلاحیتیں موجود ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان کی نگرانی میں امارت شرعیہ مزید ترقیوں کے منازل طے کرے گا۔ اس موقع پر مولانا قاسم نوری صدر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی، مفتی کلیم الدین قاسمی امام و خطیب حنفیہ مسجد (کریم ہوٹل) مولانا مرتضیٰ قاسمی استاذ جامعہ رحیمیہ مہندیان، نئی دہلی و دیگر علماء کرام موجود تھے۔ حضرت نائب امیر شریعت نے تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہ کہا کہ حضرت امیر شریعتؒ نے جو ادھورے کام چھوڑے ہیں، ان کی تکمیل میری اولین ترجیح ہوگی۔

بہار پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں کامیاب ہونے والے امیدوار ملک اور سماج کے لیے قابل فخر: مولانا محمد شبلی القاسمی

امارت شرعیہ کے قائم مقام ناظم مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے بہار پبلک سروس کمیشن کے مقابلہ جاتی امتحان میں کامیاب ہونے والے تمام امیدواروں کو مبارک باد دی ہے اور ان کے بہتر مستقبل کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔
واضح ہو کہ بی پی ایس سی کا یہ چونسٹھ واں مقابلہ جاتی امتحان تھا، جس میں کل ۱۴۵۴ر امیدوار کامیاب ہوئے ہیں، ان میں سے ۸۹ر مسلمان ہیں۔ حج بھون پٹنہ میں بی پی ایس کی تیاری کرنے والے مسلم امیدواروں میں سے اس بار ۴۹ر امیدواروں نے کامیابی کا پرچم لہرایا ہے، جس سے حج بھون کے کوچنگ سنٹر کا وقار بڑھا۔
جناب قائم مقام ناظم صاحب نے فون کرکے بہار ریاستی حج کمیٹی کے چیرمین اور سی ای او کو مبارک باد دی اور خوشی ظاہر کی کہ حج کمیٹی کے ذریعہ شروع کی گئی اس پہل سے ملت کے نوجوانوں کو بہتر مستقبل کے لیے رہنمائی اور حوصلہ مل رہا ہے۔ مولانا نے کہا کہ میرے علم کے مطابق کئی حکومت کے اعلیٰ افسران خاص طور پر اقلیتی فلاح کے وزیر اور دیگر افسران حج بھون کے مقابلہ جاتی کوچنگ سنٹر کو مثالی بنانے میں مصروف رہتے ہیں، میں ان تمام حضرات کو خاص طور پر اقلیتی فلاح کے وزیر جناب زماں خان صاحب، بہار ریاستی حج کمیٹی کے چیرمین جناب الحاج الیاس حسین عرف سونو بابو اور سی ای او جناب راشد حسین صاحب کو بھی دل کی گہرائی سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور دعا دیتا ہوں کہ سماج کے ان ذہین طلبہ و طالبات کو جو اپنی مختلف قسم کی گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کرسکتے تھے اور وہ چاہتے ہوئے بھی بی پی ایس سی کے امتحانات کی تیاری نہیں کر پا رہے تھے، لیکن اس طرح کے اداروں سے ان طلبہ و طالبات کو حوصلہ ملا اور نئی نسلوں کے لیے امید کی راہیں بھی کھلیں اور ان کے لیے آگے بڑھنے کی راہ آسان ہوئی۔
انہوں نے امید ظاہر کی کہ آئندہ برسوں میں یہ نتائج اور بہتر ہوں گے اور اس سے بھی زیادہ تعداد میں مسلم امیدوار کامیاب ہوکر بی پی ایس سی جیسے سخت مقابلہ جاتی امتحان میں کامیابی کا علم بلند کریں گے۔ کامیاب ہونے والے امیدواروں میں گوپال گنج کی رہنے والی رضیہ سلطانہ ڈی ایس پی کے لیے منتخب ہونے والی پہلی مسلم خاتون بنی ہیں۔ مولانا نے رضیہ سلطانہ اور ان کے گھر والوں کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ اس سے قوم کی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم و خدمت کے میدان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ ملے گا۔
انہوں نے کامیاب ہونے والے تمام مسلم امیدواروں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو امانت و دیانت کے ساتھ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے سماج کے دیگر ہونہار طلبہ و طالبات کی رہنمائی بھی کریں اور مقابلہ جاتی امتحانوں میں زیادہ سے زیادہ طلبہ و طالبات کامیاب ہوکر آئیں، اس کے لیے بھی تھوڑی سی فکر کریں، اگر ہر کامیاب امیدوار یہ تہیہ کرلے کہ کم از کم ایک طالب علم کو وہ امتحان کے لیے تیار کرے گا، تو دیکھیں گے کہ آنے والے چند برسوں میں سماج کی تصویر اور زیادہ خوبصورت ہوجائے گی اور مسلم سماج میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

Scanned with CamScanner

مدارس کی قدر بھی کریں اور اس کے استحکام کی فکر بھی

ذکی نور عظیم ندوی

مدارس دینیہ اسلام کے مضبوط قلعے، ہدایت کے سرچشمے، دین کی پناہ گاہیں اور اشاعت دین کا سب سے مفید، مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہیں، مدارس ایسے تعلیمی وتربیتی مراکز ہیں جن میں ملکی وسماجی ترقی اور ضرورتوں کے ساتھ اسلامی مزاج وانداز سے ہم آہنگی کو مدنظر رکھ کر تعلیم وتربیت دی جاتی ہے، مدارس میں تعلیم کے ذریعہ اسلامی اور انسانی تقاضوں پر عمل، اس کی تبلیغ ودعوت اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے، مدارس کا مقصد ملک میں دین کی بقاء، اس کا تحفظ اور اگلی نسل تک دین کی صحیح اور واضح شکل میں منتقلی ہے، مدارس کا مقصد دین پر ہونے والے اعتراضات اور حملوں کو سمجھ کر اس کے خلاف ہونے والی سازشوں کا حکمت کے ساتھ معقول ومناسب جواب دینا ہے، مدارس کی اعلیٰ تعلیم اور وہاں قائم دار الافتا ودار القضاء کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عائلی مسائل، اس میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں، اختلافات اور مسائل کا معقول وقابل قبول حل پیش کیا جاتا ہے، مدارس کی طویل مدتی اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ ہی تجارت میں آنے والے نئے نئے طریقوں، حرام، سود اور جائز منافع میں فرق، سرمایہ کاری کی درست شکلوں، شیئر مارکیٹ میں حصہ داری اور مختلف پالیسوں میں جائز وناجائز طریقے سمجھنے میں مدد ملتی ہے، مدارس کی گہری اور دقیق اعلیٰ تعلیم ہی کے ذریعہ سیاست ومعیشت، ملکی نظام، نصاب تعلیم اور اس کے نظام کے ذریعہ خفیہ انداز میں اسلام اور مسلمانوں کے امتیازات اور شناخت کو نقصان پہنچانے کی کوششوں کو سمجھا جاسکتا ہے، مدارس کی اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ ہی قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات پر بے جا اعتراضات اور الزامات کی حقیقت کو سمجھ کر اس کا واضح جواب دیا جاتا ہے، مدارس کی طویل مدتی گہری واعلیٰ تعلیم کے ذریعہ ہی اسلامی تعلیم میں ہیر پھیر، اس کے تحریف اور تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ناجائز کوششوں کی سمجھ اور اس کا سد باب ہوسکتا ہے، مدارس کی طویل گہری اور اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ ہی زبان وقلم، رفاہی کاموں، مال ودولت، عزت ومنصب اور دیگر ہر طرح کے دستیاب وسائل سے دین کی خدمت کا طریقہ سمجھا جاسکتا ہے، مدارس کی طویل مدتی دقیق وعمیق اعلیٰ تعلیم کے ذریعے ہی ملکی ماحول کے لیے فرقہ وارانہ ہم آہنگی، آپسی رواداری اور دینی مداہنت کمزوری اور غیر ضروری وبیجا چاپلوسی میں فرق کیا جاسکتا ہے، مدارس دنیا کی سب سے بڑی ایسی ''این جی اوز'' (غیر سرکاری) ادارے ہیں جو لاکھوں طلبہ وطالبات کو بلا معاوضہ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے ساتھ ان کو رہائش وخوراک اور بہت سے مدارس میں مفت طبی سہولت بھی فراہم کرتے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ مدارس نے ہر دور میں تمام تر مصائب ومشکلات، پابندیوں اور مخالفتوں کے باوجود اپنا وجود اور مقام برقرار رکھتے ہوئے ہر ملی وملکی مسئلہ اور ضرورت میں اپنا نمایاں اور ناقابل فراموش عظیم کردار نبھایا ہے۔

عمومی بڑھتی ضرورتیں اور مدارس کی آمدنی؟

مدارس یہ عظیم ترین خدمات عام طور پر کسی سرکاری فنڈ یا مستقل ذریعہ آمدنی کی بنیاد پر نجام نہیں دیتے، بلکہ یہ امور عام حالات میں اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہی انجام پاتے ہیں، اس کے لیے مدارس کچھ متعین افراد، ملک وبیرون ملک تعاون حاصل کرنے کے لیے بھیجتے ہیں، خاص طور پر وہ لوگ اس کے لیے رمضان میں بھوک وپیاس کی شدت اور سخت دھوپ میں اور بسا اوقات تو لائن لگا کر یہ سخت ودقت طلب خدمات انجام دیتے رہے ہیں، افسوس کہ بیرون ملک خاص طور پر عرب اور اسلامی ممالک میں معاشی تنگی واقتصادی بدحالی اور وہاں بعض نئے قوانین کی وجہ سے حالات پہلے کی طرح سازگار نہیں رہ گئے، اور وہاں سے مالی امداد وتعاون تقریباً بند ہوچکا ہے، اسی طرح بیرون مک سے مالی تعاون کو قانونی طور پر اپنے ملک منتقل کرنے کے لیے ایف سی آر کی کارروائی نہایت پیچیدہ ہوجانے یہاں تک کہ جن اداروں کو ایف سی آر حاصل تھا ان کی تجدید میں بھی اتنی دقتیں آنے لگیں کہ ذمہ دار مدارس خاموش ہوکر بیٹھنے پر مجبور ہوگئے، اور سوائے بیرون ملک جاکر امداد حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں رہی، لیکن گزشتہ دو سالوں سے کورونا کی وجہ سے انٹرنیشنل فلائٹوں کی بندش نے اس امکان کو بھی خاک میں ملا دیا، موجودہ صورت حال میں سوائے اہل خیر سے تعاون وامداد کی اپیل کے کوئی امکان نہیں بچا ہے؛ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ کورونا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے عام لوگوں کی آمدنی بھی بری طرح متاثر ہوئی، کاروبار میں عمومی مندی، بہت سے لوگوں کی بیروزگاری، روزانہ کما کر کھانے اور ضروریات زندگی پوری کرنے والے افراد کی دقتوں اور پریشانیوں میں بھی یہی اہل خیر سہارا بنے، پورے ملک میں بری طرح اس وبا کے پھیل جانے کی وجہ سے ایک ایک گھر میں کئی افراد، رشتہ داروں، دوست واحباب اور پڑوسیوں میں بہت سے لوگوں کو اسپتالوں میں جانا پڑا اور مہنگے علاج وبے شمار غیر متوقع مصارف اور دیگر پریشانیوں میں بھی اہل خیر کے تعاون کا بڑا کردار رہا، اسی طرح بے شمار لوگوں کے زندگی کی جنگ ہارنے کی وجہ سے یتیموں وبیواؤں کی ایک بڑی تعداد مخیر حضرات کے تعاون کی منتظر ہوگئی اور اللہ کا فضل ہے کہ ایسے لوگوں نے ان کو مایوس نہیں کیا۔

موجودہ صورت حال میں کورونا اور اس کی وجہ سے لگنے والے لاک ڈاؤن کے پیش نظر مدارس کی آمدنی اور وسائل پر غیر معمولی اثر پڑا اور اہل مدارس کو جہاں سے کچھ رقم مل جاتی تھی اور تنخواہوں، خوراکی اور بعض دیگر مصارف میں جو تھوڑا بہت انتظام ہوجاتا تھا وہ امید بھی موہوم ہوگئی، اور ان کے مستقبل کے تعلق سے بہت سے خدشات لاحق ہونے لگے، بہت سے اداروں اور مدارس تو بند ہونے کے خدشات سے گزر رہے ہیں اور بعض دوسرے مدارس کی صورت حال بہت تشویشناک اور نہایت توجہ طلب ہے، بعض اداروں میں بہت سے اساتذہ کی مستقل چھٹی کر دی گئی، جبکہ بعض مدارس میں اساتذہ کی تنخواہیں ۵۰ رفیصد سے بھی کم کر دی گئیں، بعض مدارس میں گزشتہ تقریباً ایک سال سے تنخواہیں باقی ہیں، اور بعض اساتذہ ومدرسین نے تنخواہوں کی پریشانی دیکھتے ہوئے خود تعلیمی اداروں سے الگ ہوکر اپنے ذاتی کاروبار کے تعلق سے غور وفکر کرنا شروع کردیا، اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ مدارس کے اساتذہ جس قلیل تنخواہ (عام طور پر دس بیس ہزار ماہانہ) پر تدریسی فرائض انجام دیتے ہیں وہ کسی کاروبار کے ذریعہ اس سے کہیں زیادہ منافع حاصل کرسکتے ہیں، لیکن پھر مدارس کے ذریعہ جو عظیم کام انجام پا رہا ہے اس کا انجام کیا ہوگا؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر ان ساری ذمہ داریوں کو قبول کرنے والے مدارس اور اداروں کا مستقبل اس قدر خطرہ میں پڑ جائے یا مدارس کے ذمہ دار اور معاونین خود ان ذمہ داریوں کو محسوس کرنے کے بجائے سہولت اور چین کی سانس لینے لگیں تو پھر دین کے تحفظ، دین کی نئی نسل تک منتقلی، اس میں در آئی تحریفوں کی اصلاح، اس کے خلاف ہونے والی سازشوں کا مقابلہ، دین پر ہونے والے الزام نما اعتراضات کا جواب، دین سے لاپرواہ نئی نسلوں کی اسلامی مزاج واقدار سے آراستہ کرنے کی فکر اور صحیح اسلامی بنیادوں وتعلیمات کے ذریعہ معاشرہ کی قیادت کون کرے گا اور اسلام کا عادلانہ ومنصفانہ حقیقی پیغام کون سنائے گا۔

ایسی صورت حال میں اصحاب مدارس اور ان کے ہمدردوں کو مالی مدد کی متبادل شکلوں اور مستقل آمدنی کے طریقوں پر غور کرنے کی سخت ضرورت ہے، خاص طور پر وہ مدارس جن کے پاس وقف جائیدادیں ہیں، ان پر ان جائیدادوں کا صحیح انتظام، اس کی آمدنی کو بڑھانے کے طریقے اور اس کو ضائع ہونے سے بچانے کی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جس کے سلسلہ میں وہ آخرت میں ضرور جوابدہ ہوں گے، اسی طرح جن اداروں کے پاس اچھا بیلینس ہو اس کی سرمایہ کاری اور اسے کسی مناسب جگہ یا تجربہ کار مخلص وہمدرد تاجروں کے ساتھ کاروبار میں حصہ داری کی بھی فکر کرکے اداروں کی مستقل آمدنی کا کوئی معقول خاکہ ضرور بنانا چاہیے، اور نئی تعمیرات، کانفرنسوں، اجلاس، اسفار اور دیگر غیر ضروری اور کم مفید امور میں فضول خرچی سے پوری طرح بچنا چاہیے۔

مدارس کی امیدوں وتوقعات کے مراکز:

اس وقت نئی پیدا شدہ صورت حال کا سنجیدگی سے جائزہ اور ان افراد کی تلاش جن سے تعاون کی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہوں نہایت ضروری، اہم اور مثبت مرحلہ ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل حضرات سے توقع وامید اور ان سے مل کر صورت حال کی صحیح تصویر کشی اور معقول تعاون کی امید کی جاسکتی ہے، وہ حضرات جو فرض حج وعمرہ کی ادائیگی کے باوجود بھی نفلی حج وعمرہ کے لیے جاتے ہیں لیکن انٹرنیشنل فلائٹ اور کورونا کی پابندیوں کی وجہ سے دو سال سے نہیں جا پا رہے، سماج میں ایسے حضرات کی کمی نہیں جو اپنے گھر کی شادیوں کو یادگار بنانے اور بہتر وعالیشان ضیافت کے لیے مشہور ومعروف ہیں لیکن لاک ڈاؤن کی وجہ سے گزشتہ یا حالیہ سال انہوں نے بہت سادگی سے شادی کی اور اللہ کے فضل سے شادی کے لیے مختص بجٹ میں ایک بڑی رقم کی بچت ہوئی، وہ سرکاری ملازمین جن کو کام کرنے کی سہولت بھی ملی اور آمدنی بھی حسب سابق برقرار رہی، جب کہ کورونا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے بڑے بڑے کاروباری متاثر اور بے شمار افراد کھانے پینے کے محتاج ہوگئے، اسی طرح بڑی کارپوریٹ کمپنیوں میں ورک فرام ہوم کی سہولت اور مکمل تنخواہ پانے والے خوش قسمت دیگر افراد، وہ خوش قسمت اور اچھے ذوق کے حامل افراد جو ہر کچھ دنوں کے بعد ہوٹلوں اور ریسٹورینٹ وغیرہ میں کھانے اور تفریحی مقامات پر جانے کا مزاج رکھتے ہیں لیکن احتیاط اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے کافی دنوں سے وہاں نہیں جاسکے، سیاحت سے دلچسپی رکھنے والے وہ افراد جو تفریحی اور سیاحتی اسفار کرتے ہیں اور گرمیوں میں پہاڑی علاقوں کا بھی لطف اٹھاتے ہیں، لیکن گزشتہ دو برسوں سے کورونا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے محروم رہے، وہ سوشل اور سماجی حضرات جو زیادہ اسفار کرتے ہیں اور اندرون ملک وشہر آمد ورفت پر قابل قدر رقم خرچ کرتے ہیں، لیکن کورونا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے ان دو برسوں میں اس قابل قدر رقم میں اچھی خاص بچت ہوئی، کاشتکاری سے وابستہ بڑے کاشتکار اور دیہی علاقوں میں کاروبار سے منسلک افراد موجودہ صورت حال سے بہت حد تک محفوظ رہے، جب کہ شہروں میں کاروبار یا ملازمت کرنے والے کورونا اور لاک ڈاؤن سے کافی متاثر ہوئے، ملکی سطح پر کورونا اور لاک ڈاؤن کی بڑی تکلیف دہ صورت حال دیکھی گئی، جب کہ بیرون ممالک اس اتنا اثر نہیں پڑا، جس کی وجہ سے بیرون ممالک سروس یا کاروبار کرنے والے افراد بہت حد تک محفوظ رہے، اللہ کے فضل سے مردوں کے ساتھ خوش نصیب خواتین کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جنہیں اللہ نے صاحب حیثیت بنایا ہے اور ان کے پاس اتنے زیورات ہیں کہ جس کی زکوۃ سے بہت کچھ خیر کا کام کیا جاسکتا ہے، اس اور ان جیسے دیگر قسم کے افراد سے اصحاب مدارس اور ان کے ہمدردوں کو رابطہ کرنا چاہیے، اور ان حضرات سے مدارس کے استحکام کے لئے خصوصی توجہ دینے کی درخواست کرنی چاہئے، ان شاء اللہ اس سے فائدہ ہوگا اور صورت حال میں تبدیلی آئے گی۔

اچھی باتیں

''روئے زمین پر اکثریت ایسے لوگوں کی ہیں جو دُکھ، تکلیف، اذیت، فریب اور دھوکہ تو انسانوں کو دیتے ہیں اور معافی اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، ان امور مین بندوں کی طرف سے معافی بھی ضروری ہے☆ صرف رب ہی وہ شہنشاہ ہے جو مانگنے پر خوش اور نہ مانگنے پر خفا ہوتا ہے☆ لاکھ ڈاؤن میں اتنی لمبی چھٹی نے ایک بات تو سمجھا دی کہ عبادت کے لیے فرصت کی نہیں، توفیق کی ضرورت ہوتی ہے☆ پرانے لوگ سمجھدار تھے، تعلقات سنبھالتے تھے، پھر لوگ پریکٹیکل ہوگیے تعلق سے فائدہ نکالنے لگے، اب لوگ پروفیشنل ہیں فائدہ ہو تو تعلق رکھتے ہیں۔'' (حاصل مطالعہ)

Scanned with CamScanner

شادی کو کیسے آسان بنایا جائے؟

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

جس گھر میں شادی، بیاہ ہوتی ہے اس گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں نظر آتی ہیں اور دولہا دلہن کے خاندانوں میں مسرتوں کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ لیکن جب انسان لالچ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر یہی شادی اخلاقی گراوٹ و معیشت کی بربادی کا پیغام لاتی ہے، جس کی وجہ سے خود انسان بڑے بڑے مسائل کا شکار ہو جاتا ہے، اب ذرا شادی بیاہ کا معاملہ لے لیجئے کہ نصف صدی قبل کس طرح آسان شادیاں ہوا کرتی تھیں لیکن آج کی شادیاں لوگوں کے لئے بالخصوص لڑکی کے والدین کے لئے مسائل و مشکلات کا پہاڑ ثابت ہو رہی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج بھی لوگ سیدھی سادھی شادیاں کر رہے ہیں، مشکلات سے خود بھی بچ رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بچا رہے ہیں لیکن معاشرہ میں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے یا پھر لاکھوں میں چند سو سے زیادہ نہیں ہے، شادی ایک معاشرتی ضرورت ہے اور یہ کوئی سوداگری ہے اور نہ ہی پیسہ کمانے کا ذریعہ، اسلام میں عورت و مرد کے دائرہ کار میں فرق ہے اور خدائے برتر نے ان دونوں کا مقام و مرتبہ مقرر فرما دیا ہے اور مرد کو ایک گنا برتری عطا فرمائی ہے کیوں کہ مرد محنت و مشقت کر کے روزی روٹی کا انتظام کرتا ہے اور عورت گھر کی ملکہ بن کر اس کا نظم چلاتی ہے اس طرح ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور مرد کو عورت پر فوقیت اس لئے دی گئی کہ وہ اپنا پیسہ خرچ کر کے (مہر ادا کرتے ہوئے) عورت کو اپنی زوجیت میں لیتا ہے اور زندگی بھر اس کے کھانے پینے، رہنے اور زیب تن کرنے کے لئے لباس کے علاوہ اس کی ساری ضروریات کا صرف وہی ذمہ دار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ فی زمانہ شادیاں جو مشکل بنادی گئی ہیں اسے آسان اور سہل کس طرح بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو عام کیا جانا چاہئے کہ ''شادی کو آسان بناؤ تاکہ زنا مشکل ہو جائے'' آج کے زمانے میں شادیاں جو مشکل بنتی جارہی ہیں، اس کا سدباب عورتیں بحسن خوبی کر سکتی ہیں کیوں کہ اس سلسلہ میں جتنے بھی رسومات ہیں یہ ان ہی کے دم خم سے قائم ہیں، یہ ایک قدیم مثل ہے ''ازماست کہ برماست'' یعنی ہم پر جو مصیبت آتی ہے وہ اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے، آج بن بیاہی لڑکیوں کے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں اس میں مرد بھی ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس میں عورتوں کا رول نمایاں ہے۔ کسی لڑکی کو پسند کرنے سے لے کر شادی کی تاریخ تک اور پھر اس کے بعد قدم قدم پر جو مختلف عنوانات سے فضول و غیر ضروری رسمیں ادا کی جاتی ہیں اس کے خاتمہ کے لئے عورتیں بھی کوششیں کریں گی تو اسے رفتہ رفتہ ختم کیا جاسکتا ہے۔

دوسری چیز یہ کہ لوگوں میں یہ احساس اُجاگر کیا جائے کہ والدین جب اپنی لڑکی کا بیاہ کر دیتے ہیں اور اپنے جگر کے گوشہ کو ایک اجنبی کے ہاتھ سونپ دیتے ہیں، یہ بڑے ایثار کی بات ہے جس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہی ہے۔ ان ساری محنت و مشقت سے پال پوس کر بڑا کر کے شادی کا مرحلہ آتا ہو۔ اس موقع پر لڑکے والوں کی طرف سے کئے جانے والے مطالبے، والدین پر بجلی گرا دیتے ہیں۔ ان ساری باتوں سے عورتیں کماحقہ واقف ہیں لیکن احساس کی کمی نے سارا معاملہ چوپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ متمول والدین اپنی لڑکیوں کی شادی میں سادگی اختیار کریں، عام طور پر عقد نکاح کے موقع پر لڑکی کے والدین کی جانب سے دیا جانے والا کھانا اور پورے لوازمات نے کم آمدنی اور جز معاش والدین کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے، کیوں کہ پیسے والے لوگ اپنی لڑکی کی شادی میں کھانے پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے عام لوگوں کے علاوہ بالخصوص کمزور لوگوں کے لڑکے والوں کے دل میں یہ بے جا خواہش زور پکڑتی ہے کہ ''ہم بھی اپنے بیٹے یا بھائی کی شادی میں عقد کے موقع پر لوازمات سے بھرپور کھانے کا مطالبہ کریں گے''۔ اس طرح جوڑے کی رقم جہیز و طلائی زیور کے علاوہ اچھا شادی خانہ اور ہمہ اقسام کے کھانوں کا مطالبہ لڑکی کے والدین کو نچوڑ کر رکھ دیا ہے، اگر معاشرے کے مالدار لوگ شادیاں سادگی سے کریں تو عام لوگ بھی ان کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں؛ کیوں کہ کسی بھی معاشرے میں ''بگاڑ'' سرمایہ داروں سے شروع ہوتا ہے اور دھیرے دھیرے عوام بھی اس دلدل میں اتر جاتی ہے کیوں کہ عام آدمی مالداروں کی نقالی میں اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلا کر قلاش ہو جاتا ہے اور بعض تو اپنی جائیدادوں کو رہن رکھ دیتے ہیں یا پھر فروخت کر دیتے ہیں اور جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ بھاری سود پر رقم اٹھا کر زندگی بھر سود ادا کرتے ہیں۔ بعض اوقات سودی معالمت کی وجہ سے لوگ خودکشی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

اس سلسلہ میں اصل بات لوگوں کو سمجھانے کی یہ ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر لازمی جو چیزیں ہیں ان پر عمل کیا جائے، مثلاً ایجاب و قبول، مہر کا مقرر کیا جانا، گواہوں کی موجودگی۔ اس کے علاوہ شادی کے موقع پر جو کچھ زائد چیزیں شامل کر لی گئی ہیں یہ سب کے سب ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق ہے۔ آج ہر طرف معیاری شادی کے بڑے چرچے ہیں اور ہر ایک معیار پر توجہ دے رہا ہے اور معیار کو ناپنے کے مختلف پیمانے ہیں۔ مثلاً کسی کی نگاہ ظاہری خوبصورتی پر ہے اور کوئی مالداری پر نظریں جمائے بیٹھا ہے اور کوئی ذات برادری کو ترجیح دیتا ہے اور بہت سے نادان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بیک وقت ان چاروں چیزوں کو فرد واحد میں تلاش کرتے ہیں اس ساری جستجو میں سب سے آخری چیز اگر دیکھی بھی جاتی ہے تو وہ یہ ہے کہ لوگ شریف ہیں یا نہیں۔ ٹھیک اسی طرح لڑکے کی دریافتگی کا معاملہ بھی مختلف نہیں ہے، بعض گھرانوں میں خود لڑکی والے بھی اپنی لڑکی یا بہن کی شادی میں خواہ مخواہ مشکلات پیدا کرتے ہیں اور اپنے خود ساختہ معیار پر عمل کرتے ہوئے مختلف وجہ بتا کر رشتے مسترد کرتے ہیں، موجودہ زمانے میں رشتوں کا استرداد مندرجہ ذیل عذرات پر ہوتا ہے، مثلاً آمدنی یا تنخواہ کا خوب نہ ہونا، ذاتی مکان کا نہ ہونا، پرانے شہر میں رہائش کا ہونا، ضعیف والدین اور کچھ بن بیاہی بہنوں کا ہونا، اگر ان مذکورہ بالا چیزوں کو سرف نظر کیا جائے۔ دوسری اچھی چیزوں پر نظر رکھی جائے تو رشتہ نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ دکھائی نہیں دیتی، مثلاً لڑکے میں عمدہ اخلاق کا پایا جانا، اپنے والدین کی خدمت، بہنوں کی ذمہ داری کا احساس، حلال کمائی، حرام سے اجتناب اور سب سے اونچی بات یہ کہ حقوق اللہ کا ہر وقت پاس و خیال حقوق العباد کی بھرپور ادائیگی غرضیکہ ان ساری باتوں کو سمیٹ دیا جائے تو ہم اسے دو لفظوں میں بیان کر سکتے ہیں۔ وہ ہے ''دین داری'' اگر رشتوں کو طے کرتے وقت دین داری کو ترجیح دیں تو یہ کامیابی کی ضمانت ہے، جس سے معاشرے میں طلاق و خلع کے واقعات میں بڑی حد تک کمی واقع ہو کر رہے گی۔

طعام ولیمہ ایک اہم چیز ہے اسے بھی سادہ بنانے کے لئے شعور کی بیداری نہایت ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ولیمہ کرنا سنت ہے اور ہر سنت کو سنت کے مطابق ادا کرنا خیر و برکت کا باعث ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ نکاح (شادی ولیمہ) مبارک ہے (اللہ و رسول کی نگاہ میں محبوب ہے) جس میں خرچ کم ہو اور محنت بھی زیادہ نہ ہو۔ شادی ولیمہ کی محفلوں کو آسان بنانے اسراف سے بچنے کی بات کو عام کرنے کے لئے خطباء، واعظین اور مفتیان عظام، علماء کرام و مشائخین کرام، انفرادی و اجتماعی سطح پر بھرپور کوششیں کریں اور اسے ایک تحریک کی شکل دیں؛ کیوں کہ عوام اب بھی متذکرہ بالا شخصیتوں کی بات کو غور سے سنتے اور وزن دیتے ہیں؛ لیکن یہاں پر ہدایت کے سرچشمہ قرآن مجید کے اس حکم پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے کہ ''اے لوگو، جو ایمان لائے ہو وہ بات تم کہتے کیوں ہو جو تم کرتے نہیں''۔ کیوں کہ اگر خدانخواستہ قول و فعل میں یکسانیت نہ ہو تو رشد و ہدایت کی ساری کوششیں ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ آخر میں چند گذارشات پیش کرنا چاہوں گا جو شادی کو آسان بنانے کے ضمن میں مفید اور کارآمد ثابت ہونگی۔ (۱) شادی بیاہ کے بے جا رسومات کے منفی پہلوؤں کو معاشرے کے سامنے کھول کر بیان کیا جائے۔ (۲) طعام ولیمہ کو سادگی سے کرنے کی تلقین کی جائے اور سادگی سے انجام پانے والے تقاریب کی ہمت افزائی کی جائے۔ (۳) لڑکی والے ان رشتوں کو مسترد کر دیں جن میں بے جا مطالبات رکھے جاتے ہیں۔ یہ کام بڑا صبر آزما ہے اور خدا پر توکل کے بغیر ناممکن ہے، اگر متحدہ طور پر لڑکی والے لالچی قسم کے لوگوں کا بائیکاٹ کریں تو بن بیاہی لڑکیوں کے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور شادیاں بھی آسانی کے ساتھ ہونے لگ جائیں گی۔ (۴) شادی کو آسان بنانے میں مالداروں کی یہ حکمت عملی ہونی چاہئے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی یا اپنے بیٹے کا ولیمہ، ان دونوں مواقع پر سادگی کا مظاہرہ کریں اور اپنے مالدار ہونے کا اظہار اپنے عمل سے اس طرح کریں کہ مال عطا کرنے والے مالک کے محتاج و بے کس بندوں کی دستگیری کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کریں ورنہ تقاریب میں مال و دولت کو لٹا دینا معاشرے کے لئے مہلک بیماری کا باعث ہے۔

چین میں شادی شدہ جوڑوں کو اب تین بچوں کی پیدائش کی اجازت

دنیا کے سب سے زیادہ آبادی والے ملک چین میں کم تر شرح پیدائش اور آبادی کے بوڑھا ہوتے جانے کے سبب شادی شدہ جوڑوں کو اب تین بچوں تک کی پیدائش کی اجازت دے دی گئی ہے۔ چین میں ''ون چائلڈ پالیسی'' تقریباً چار عشروں تک نافذ رہی۔ عوامی جمہوریہ چین میں حال ہی میں سامنے آنے والے گزشتہ مردم شماری کے نتائج کے مطابق ملکی آبادی میں بزرگ شہریوں کا تناسب تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے اور نوجوان شہریوں میں بچے پیدا کرنے کا رجحان بھی بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب حکومت نے ماضی کی ''ون چائلڈ پالیسی'' میں مزید نرمی کا فیصلہ کیا ہے اور عام جوڑوں کو اب تین بچوں تک کی پیدائش کی قانونی اجازت دے دی گئی ہے۔

تقریباً چار عشروں تک نافذ رہنے والی ''صرف ایک بچے کی پیدائش کی سرکاری پالیسی'' اس لیے کافی متنازعہ تھی کہ بیجنگ حکومت نے اس پر عمل درآمد کے لیے سخت ترین ضوابط متعارف کر رکھے تھے، یہ ضابطے دنیا میں اپنی نوعیت کے سخت ترین فیملی پلاننگ ضوابط تصور کیے جاتے تھے۔ ۲۰۱۶ء میں حکومت نے پہلی مرتبہ اس پالیسی میں نرمی کی اور شادی شدہ جوڑوں کو دو بچوں تک کی پیدائش کی اجازت دی گئی تھی، اب ان ضوابط میں مزید نرمی کرتے ہوئے عام جوڑوں کو تین بچوں تک کی پیدائش کی اجازت دی گئی ہے۔

بیجنگ سے ملنے والی مختلف خبر رساں اداروں کی رپورٹوں کے مطابق چینی حکومت نے اب عام شہریوں کو زیادہ بچے پیدا کرنے کی قانونی اجازت دینے کا فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ آئندہ برسوں اور عشروں میں کم تر شرح پیدائش اور معاشرے میں بزرگ شہریوں کے تناسب میں بہت زیادہ اضافے کے نتیجے میں افرادی قوت میں کمی اور ممکنہ اقتصادی جمود سے بچا جاسکے۔ اس فیصلہ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ چین کے قومی دفتر شماریات کے گزشتہ ماہ جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق سال ۲۰۲۰ء میں پورے ملک میں صرف بارہ ملین بچے پیدا ہوئے تھے اور نومولود بچوں کی یہ مجموعی سالانہ تعداد ریکارڈ حد تک کم تھی۔

چین کے سرکاری خبر رساں ادارے شنہوا نے پیر کے روز بتایا کہ ملکی صدر شی جن پنگ کی صدارت میں ملک میں حکمران کمیونسٹ پارٹی کی اعلیٰ اختیاراتی پولٹ بیورو کی قیادت کے ایک اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ملکی آبادی کے بوڑھا ہوتے جانے کا حل یہ ہے کہ عام شادی شدہ جوڑوں کو فی کس تین بچوں تک کی پیدائش کی اجازت دے دی جائے۔ پولٹ بیورو نے یہ فیصلہ اس لیے بھی کیا کہ چین میں عام شہریوں میں اوسط شرح افزائش صرف ۱.۳ ہے اور اس شرح سے ملکی آبادی میں استحکام کی منزل کا حصول یقینی بنانا ناممکن ہے۔ ۲۰۲۰ء کی مردم شماری کے مطابق چین کی مجموعی آبادی ۱.۴۱ ارب بلین ہے۔ مگر تشویش کی بات یہ ہے کہ گزشتہ برس قومی آبادی میں جو اضافہ ہوا، وہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے بعد سے اب تک کا سب سے کم سالانہ اضافہ تھا۔ آبادی سے متعلق امور کے چینی ماہرین کے مطابق اگر ملکی آبادی میں اضافے کی کامیاب کوششیں اب بھی نہ کی گئیں، تو آئندہ چند عشروں میں روزگار کی ملکی منڈی میں کارکنوں کی کمی بڑھ کر بیسیوں ملین تک پہنچ جائے گی۔ اس کا دوسرا منفی پہلو یہ ہوگا کہ ۲۰۵۰ء تک ممکنہ طور پر چین کی مجموعی آبادی میں پینشن یافتہ بزرگ شہریوں کا تناسب بڑھ کر ایک تہائی تک ہو جائے گا۔ تب ریاست کو ان کروڑوں بزرگ شہریوں کو پینشن بھی ادا کرنا ہوگا اور ان کی طبی دیکھ بھال کا انتظام بھی کرنا ہوگا۔

ماہرین کے مطابق مستقبل کے ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے معاشرے کو جو افرادی قوت درکار ہوگی، اسی کو یقینی بنانے کے لیے اب حکومت نے عام جوڑوں کو تین بچے پیدا کرنے کی قانونی اجازت دی ہے۔

Scanned with CamScanner

بغض و حسد

ایک خطرناک بیماری

مولانا محمد ابراہیم عمری

انسانی معاشرے کو جو چیزیں نقصان پہنچاتی ہیں، ان میں سے ایک بغض وحسد بھی ہے۔ یہ ایک خطرناک بیماری اور سنگین جرم ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں: آسمان میں سب سے پہلا جو گناہ کیا گیا، وہ حسد ہے۔ یعنی حسد کی بنا پر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اور زمین میں بھی سب سے پہلا جو گناہ کیا گیا وہ حسد ہی ہے۔ اسی بنا پر آدم کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔"

جہاں اچھائیاں ہوں گی، وہاں یہ برائی پائی جائے گی اور جس فرد میں کوئی خوبی اور صلاحیت ہوگی ضرور اس کے حاسدین بھی ہوں گے۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں: "اگر کسی کے پاس کوئی نعمت ہو تو اللہ اس کے پیچھے کسی حاسد کو لگا دیتا ہے" (ادب الدنیا والدین:۱۷۷)، کسی حکیم کا قول ہے: "لوگوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ یا تو حسد کرنے والے ہوں گے، یا وہ جن سے حسد کیا جائے۔ ہر خوبی کے حاسدین پائے جاتے ہیں" (ادب الدنیا والدین ۱۷۶)

یہ مذموم صفت یہودیوں میں زیادہ پائی جاتی ہے، جس کا اشارہ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے۔ اہل ایمان کو نقصان پہنچانے میں جب یہود ناکام ہوئے تو ان سے بغض وحسد کرنے لگے۔ انہیں سب سے زیادہ حسد اس بات پر تھا کہ مسلمان دولت اسلام سے سرفراز ہیں۔ فرمان نبوی ہے: "یہودیوں کو تم پر جتنا حسد اسلام لانے اور آمین کہنے پر ہوتا ہے، اتنا کسی اور بات پر نہیں ہوتا" (رواہ ابن ماجہ عن عائشہ) ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ مسلمان بھی کفر وشرک میں مبتلا ہو جائیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ "بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کاش وہ تم کو ایمان لے آنے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں۔ وہ لوگ ایسا محض حسد کی وجہ سے کر رہے ہیں"۔

حسد ایک ایسی وبا ہے جس سے بچنا بہت دشوار ہے۔ اس سے اللہ کے محبوب اور متقی بندے ہی بچ سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: **کل مخموم القلب صدوق اللسان** وہ جو گمنام اور سچی زبان والا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: **صدوق اللسان** تو ہم جانتے ہیں، **مخموم القلب** کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر وہ شخص جو متقی اور صاف دل ہو۔ گناہ، ظلم وزیادتی، کینہ کپٹ اور حسد جیسے منفی جذبات سے اس کا نفس پاک ہو" (ابن ماجہ:۴۲۱۶)

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں صحابہ کرام کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کے دل بغض وحسد جیسی برائیوں سے پاک رہتے ہیں۔ فرمایا گیا: "اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے، اس سے وہ اپنے دلوں میں تنگی اور حسد محسوس نہیں کرتے " (الحشر:۹)

حضرت ابن سیرین کا قول ہے: "میں نے کسی شخص سے دنیوی امور میں سے کسی بھی چیز پر حسد نہیں کیا، کیوں کہ اگر وہ جنتی ہے تو میں دنیا کی حقیر چیز کے معاملے میں اس پر کیسے حسد کرسکتا ہوں۔ اور اگر وہ دنیادار ہے تو دنیا کے معاملے میں کیسے حسد کرسکتا ہوں جب کہ وہ اسے جہنم کی طرف لے جانے والی ہے"۔

حسد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کسی سے اس کی نعمت، مقام اور مرتبہ چھن جانے کی تمنا کرنا۔ یہودیوں کے متعلق فرمایا گیا: "یا اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو دیا ہے، اس پر حسد کرتے ہیں" (النساء:۵۴)

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ دوسرے سے نعمت چھن جانے کے ساتھ یہ بھی تمنا کرنا کہ وہ نعمت حاصل ہو جائے۔ اہل ایمان کو اس مذموم صفت سے باز رہنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض کے اوپر جو برتری دی ہے، اس کی تمنا نہ کرو" (النساء ۳۲)

(۳) تیسری اور انتہائی گھٹیا قسم یہ ہے کہ جس طرح خود گناہ اور فقر وفاقے وغیرہ میں مبتلا ہیں دوسروں کے بارے میں تمنا کرنا کہ وہ بھی ان میں مبتلا ہو جائیں، کفار ومشرکین کے متعلق فرمایا گیا: "وہ تو چاہتے ہیں کہ ان کی طرح تم لوگ بھی کافر ہو جاؤ تا کہ سب برابر ہو جاؤ" (النساء ۸۹)

حسد کرنے والے کی تمنا جب پوری نہ ہو تو وہ ہر ممکن طریقے سے اس شخص کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، جس سے وہ حسد کرتا ہے۔ حسد ہی کی بنا پر یہودیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ناکام کوششیں کیں، انہوں نے کبھی زہر دیا، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا اور کبھی چکی کا پاٹ گرا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی، مگر ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام بنایا۔

نقصانات:

حسد کے بے شمار نقصانات ہیں۔ یہ برائی ایمان کے منافی ہے۔ وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جس کے دل میں بغض وحسد جیسے منفی جذبات پائے جاتے ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے" (نسائی ۳۱۰۹)

ایمانی اخوت کو سب سے زیادہ نقصان پہونچانے والی چیز حسد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپس میں حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو" (بخاری)

حسد ایک ایسی برائی ہے جس سے انسانی معاشرہ خیر وبھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت ضمرہ بن ثعلبہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگ اس وقت تک خیر اور بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ وہ آپس میں حسد نہ کریں" (الترغیب والترہیب:۲۸۸۷)

یہ ایسی بیماری ہے جس سے خود حاسد کو نقصان پہنچتا ہے۔ حضرت ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں: "حاسد پانچ مصیبتیں مول لیتا ہے، کبھی ختم نہ ہونے والا غم، ایسی مشقت جو اجر سے خالی ہو، ایسی مذمت جو قابل ستائش نہ ہو، رب کی ناراضی اور توفیق اور ہدایت سے محرومی"۔

کسی حکیم کا قول ہے: "حاسد کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ آپ کی خوشی کو دیکھ کر مغموم ہوتا ہے" (ادب الدنیا والدین ۱۷۹)

سلف میں سے کسی کا قول ہے: "حاسد کے ہاتھ کچھ نہیں آتا، مجلس میں ہو تو اس کی رسوائی ہوتی ہے، وہ فرشتوں کے نزدیک لعنت وملامت کا مستحق ہوتا ہے، انسانوں سے غم اور پریشانی ہی اس کے حصے میں آتی ہے، موت کے وقت سختی اور مشقت اور حشر کے میدان میں رسوائی اور عذاب اس کا مقدر ہوتا ہے"۔

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں: "حسد سے بڑی کوئی بری خصلت نہیں، محسود تک پہنچنے سے پہلے ہی حسد حاسد کو ہلاک کر دیتا ہے" (ادب الدنیا والدین ۱۷۶)

حسد انسانی معاشرے کے لئے بھی نقصان دہ ہے، اس کی وجہ سے معاشرے کا سکون تباہ ہو جاتا ہے اور اخوت وبھائی چارہ کا ماحول ختم ہو جاتا ہے، مفاد پرستی اور منفی جذبات پروان چڑھتے ہیں، اور سب سے بری بات یہ ہے کہ وہ چیز معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کے خلاف دست وگریبان ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم فقر وفاقے میں مبتلا ہو جاؤ گے؛ بلکہ مجھے ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائے، جیسے اگلوں پر کردی گئی تھی، تو تم اسے حاصل کرنے میں ویسا ہی مقابلہ کرنے لگو گے جیسا کہ پہلے والوں نے کیا اور یہ دنیا تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کردے، جس طرح ان کو ہلاک کیا تھا"۔ (ترمذی ۲۴۶۲)

علاج:

اگرچہ حسد سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے؛ لیکن ناممکن نہیں ہے، کسی شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا: کیا کوئی حسد سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "کیا تمہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ یاد نہیں؟ انہوں نے اپنے بھائی یوسف سے حسد کیا، حالانکہ وہ نبی کے بیٹے تھے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "جب حسد کے جذبات ابھرنے لگیں تو اسے دل میں چھپا دو، ظاہر نہ کرو، جب تک وہ دل میں رہیں تم اس کو ہاتھ اور زبان پر نہ لاؤ، وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا"۔

۱۔تقدیر پر ایمان: حسد کی ایک وجہ تقدیر پر ایمان کا کمزور ہونا ہے، اگر تقدیر پر مسلمان کا ایمان مضبوط ہو تو اس کے دل سے حسد کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں، جب اس کا اس بات پر عقیدہ مضبوط ہو جائے کہ اللہ جو دینا چاہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا، اور جو نہ دینا چاہے تو کوئی نہیں دے سکتا، تو وہ کسی سے حسد ہی نہیں کرے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اگر ساری دنیا والے مل کر تمہیں فائدہ پہنچانا چاہیں تو بس اتنا فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ چاہے۔ اسی طرح پورے لوگ مل کر تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو بس اتنا ہی پہنچا سکیں گے جتنا اللہ چاہے"۔ (ترمذی ۲۵۱۶)

۲۔موت کی یاد: موت سے غفلت بھی انسان کے اندر حسد پیدا کرتی ہے، موت کی یاد انسان کو جن چیزوں سے محفوظ رکھتی ہے ان میں سے ایک حسد بھی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں: "جو موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے، اس کی ہنسی کم ہوتی ہے اور حسد کا برا جذبہ بھی کم ہوتا ہے" (الاحیاء ۳/ ۲۰۱)

۳۔رشک: اسلام نے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ ہم حسد کے بجائے یہ تمنا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کی نعمت ہمیں بھی عطا کرے، اسی کو "رشک" کہتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "دو چیزوں میں رشک کرنا جائز ہے، ایک اس شخص پر جس کو اللہ نے قرآن مجید کا علم عطا کیا ہو، وہ اپنے علم سے لوگوں کو دن رات فائدہ پہنچاتا رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا کیا ہو وہ اپنا مال دن رات اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے"۔ حسد کا جذبہ محسود کو نقصان پہنچانے پر آمادہ کرتا ہے، جب کہ رشک کا جذبہ انسان کے اندر ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

ہر جگہ صلاحیت کی قدر ہوتی ہے

"آج کل ادارے، تنظیمیں، جماعتیں، جماعتیں اور جمعیتوں کے کارکنوں کو یہ شکوہ ہے کہ ان کی خدمت کی پذیرائی نہیں ہوتی، ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی، ہر کارکن ادارے کی ضرورت بن جائے تو ہر سطح پر اس کی پذیرائی ہوگی، صورت حال یہ ہے کہ ہر آدمی کو اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے ملازمت درکار ہے، یعنی ہر آدمی کو کام کرنے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت ہے؛ لیکن وہ اپنی ہمہ گیر صلاحیتوں کا استعمال کر کے ادارے کی ضرورت نہیں بن پا رہا ہے، جس دن وہ ادارہ کی ضرورت بن جائے گا، بڑھتی ہوئی عمر اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہوگی، اور اس کو نظر انداز کر کے کام کو آگے بڑھانا ممکن نہیں ہوگا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ صلاحیتوں کے بڑھانے اور علم کے حصول کے لئے عمر کی قید نہیں لگائی گئی، اور ماں کی گود سے قبر میں جانے کے وقت تک علم حاصل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے، ہمارے نوجوان اور خدام نے اس ہدایت کو فراموش کردیا ہے، اس لئے ہر میدان میں آج ہمیں قحط الرجال نظر آتا ہے، اور آدمی کے گذر جانے کے بعد ہمیں احساس ہوتا ہے کہ بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، حالانکہ ہمارا حال یہ ہونا چاہیئے کہ جب کوئی جگہ خالی ہو تو اس سے بڑی صلاحیت کے ساتھ دوسرا آدمی ہمارے پاس موجود ہو، (حرف حرف زندگی صفحہ:۹۰)

Scanned with CamScanner

ملک میں ہاہا کار مگر حکومت سیاسی کھیل تماشے میں

صفدرا مام قادری

نپی تلی جانچ اور جانچ رپورٹ کا اگر چہ حکومتِ ہند نے شروع سے ہی ماحول بنائے رکھا، چار ہزار افراد روز موت کے چنگل میں حتمی طور پر پھنس رہے ہیں، چند دنوں قبل ملک کے اسپتالوں میں کورونا کے مریضوں کے رکھنے کے لیے بستر نہیں تھا، آکسیجن اور وینٹی لیٹر کی تمنا کون کرے حقیقت تو یہ ہے کہ شمشان اور قبرستانوں میں بھی پیروی، سفارش اور رشوت کے بعد داخلہ مل رہا تھا۔ صبح سے شام تک لاشوں کے دفن ہونے اور جلنے کا لا مختتم سلسلہ تھا مگر حکومتِ ہند اور اُس سے راگ ملا کر بیش تر صوبائی حکومتوں کے لوگوں کو بہ تدریج موت کے دہانے تک پہنچ جانے کے لیے چھوڑ رکھا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ ممبئی، دلّی سے پٹنہ تک آکسیجن سے لے کر کورونا کی وبا سے محفوظ رکھنے کی حیات فروز دوائیں بھی کالا بازاری میں ہی دستیاب ہے۔

اسپتالوں کی من مانی اپنی جگہ مگر ان سب پر سرکاری بے انتظامی ہمیں موت کے دہانے تک پہنچا رہی تھی۔ لوگوں کو یہ توقع تھی کہ مغربی بنگال کے نتائج کے بعد وزیر اعظم کورونا وبا کے لیے کچھ کارگر اعلانات کریں گے اور عوام کی بے بسی کے لیے کچھ راج دھرم نبھانے کی کوشش کریں گے مگر پوری حکومت موت کی سوداگری میں کس درجہ پاتال تک پہنچ چکی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندستان کے وزیر اعظم اور وزیر داخلہ یا وزیر صحت کا عوامی طور پر کسی بڑے فیصلے کے اعلان سے بچتے نظر آ رہے ہیں۔

حکومت کے غیر حساس ہونے کا ایک بڑا ثبوت اس پہلو سے بھی سامنے آتا رہا ہے کہ ہندستان کی بری حالت کو دیکھتے ہوئے سعودی عرب سے لے کر امریکا اور فرانس کے شامل درجنوں ملکوں نے آکسیجن اور کورونا کے سلسلے کی دوائیں بھجوائیں مگر دس دنوں میں ہندستان کی حکومت نے اسے عوام تک پہنچانے کی ذمہ داری ادا نہیں کی۔ ان چیزوں سے فوری طور پر آکسیجن کی کچھ کمی دور ہو سکتی تھی اور وبا کے انجکشن سے لاکھوں لوگوں کو بچایا جاسکتا تھا۔

اردو کے ایک مشہور افسانہ نگار شفیع جاوید بہار کے کئی گورنروں اور وزرائے اعلا کے پریس سکریٹری ہوتے تھے۔ وہ صوبے کے بڑے سیاست دانوں اور افسروں کے بیچ تین دہائیوں سے زیادہ مدّت گزار چکے تھے۔

ایک روز میرے کسی سیاسی کالم کو پڑھ کر انہوں نے مجھے فون پر یہ تنبیہ کی کہ اتنی سخت باتیں مت لکھا کرو۔ انھوں نے کہا کہ تم سیاست دانوں کو ٹھیک سے نہیں جانتے ہو۔ میں نے تیس برس تک صوبے کے سب سے بڑے سیاست دانوں کے بیچ وقت گزارا ہے۔ کہتے کہتے وہ کہہ گئے کہ اگر تمہارے جینے سے انھیں فائدہ ہے تو وہ تمھیں جینے دیں گے اور اگر تمہاری موت سے انھیں زیادہ فائدہ ہے تو وہ تمھیں بہ آسانی اُس منزل تک پہنچا دیں گے۔ اس میں تعلق اور لحاظ کا معاملہ نہیں، بلکہ صرف مفاد اور ذاتی فائدہ اور نقصان ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔

کورونا وبا کی جس انداز سے نریندر مودی کی قیادت میں مرکز سے لے کر صوبوں تک تدابیر کی جا رہی ہیں، اس میں مرحوم افسانہ نگار کی بات مجھے روز یاد آتی ہے۔ عوام کی بے چارگی اور معمولی طبّی سہولیات کی عدم فراہمی پر لاکھوں موتیں ہو رہی ہیں مگر وزیر اعظم کو اس موضوع پر ایک لفظ بولنے، صلاح و مشورہ کرنے اور حل کے لیے حقیقی کوششیں کرنے کی شاید خواہش ہی نہیں۔ بے شرمی کی حد تو وہاں نظر آتی ہے جب بنگال میں شکست فاش کے بعد اگلے ہی روز نقلی فساد کرایا جاتا ہے اور چند لوگوں کی موت پر وزیر اعظم مغربی بنگال کے گورنر سے بات کر کے تازہ صورت حال سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔

کورونا کے متاثرین کی موت پر فوری طور پر بھارتیہ جنتا پارٹی کو ووٹ کا کوئی فائدہ ملتا ہوا نظر نہیں آتا ہے، اس لیے اس جھمیلے میں حکومت کیوں ہاتھ ڈالے۔ حالاں کہ حالات جس طرح سے خراب تر ہوتے چلے گئے کہ ان کے اثرات دو ہزار چوبیس کے انتخابات میں بھی صاف صاف نظر آئیں گے۔ کس گاؤں کا کون سا خاندان ہے جس کا ایک فرد کورونا کی نذر نہ ہوا ہو۔ کون گھر ہے جس نے علاج کی بے بسی اور حکومت کے نکمے پن سے خود کو مجبور نہ پایا ہو۔ ظاہر ہے دل کے یہ زخم رفتہ رفتہ شعلہ بن کر ہمارے سامنے آئیں گے۔ سوشل میڈیا اور اخبارات میں تعزیتی خبروں کی بھیڑ اور ہر شہر اور محلّے میں نوجوان سے لے کر بوڑھے افراد کی موت سے ملک کی کوئی بھی حکومت کچھ سیکھنے کی حالت میں نہیں ہے۔ اسپتالوں کو آکسیجن لینے اور دینے کے لیے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک پہنچنا پڑ رہا ہے اور کمال تو یہ ہے کہ آکسیجن کی کمی کا شکوہ کرنے پر اتر پردیش کی ظالم حکومت اسپتال کے اہل کاروں پر ہی ایف آئی آر کر کے انھیں جیل بھیجنے کی تیاری کر رہی ہے۔

حکومت نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس سوا برس میں اپنے اسپتالوں کو نئے سرے سے تیار نہیں کیا جس سے اس دوسری لہر کا وہ مقابلہ کر سکیں۔ اب جب آکسیجن کی کمی کے لیے سڑکوں پر لوگ مر رہے ہیں، تب یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ ہندستان کا وزیر اعظم اپنی شو پیس امیج بنانے کے چکّر میں ہی رہ گیا اور اسے بنیادی کاموں کی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ صرف حکومت مہاراشٹر نے آکسیجن پلانٹ بٹھانے کے سلسلے سے سنجیدگی دکھائی تھی تو آج مشکل حالات میں مہاراشٹر میں وہ ہاہا کار نہیں ہے۔ بہار کی حکومت کا تو یہ حال ہے کہ میڈیکل اسٹاف بیس فی صد سے بھی کم ہیں۔ یہ خامی پچھلے برس ہی ظاہر ہو گئی تھی مگر الیکشن لڑنے اور سرکار بنانے میں وہ وقت چلا گیا۔ اب ڈاکٹر اور میڈیکل اسٹاف کی تقرری کا اشتہار نکلا ہے، دس بیس ہزار اور لوگ مریں گے، تب جا کر اسپتالوں میں تقرریاں ہوں گی۔ اتر پردیش میں تو ظالمانہ قانون کے چکرویو میں پھنسا دینے کا تعزیانہ ہی ایسا ہے کہ وہاں کوئی افسر یہ کہہ ہی نہیں سکتا کہ حکومت کی طرف سے کسی طرح کی کوتاہی ہو رہی ہے۔ سچّی بات یہ ہے کہ کورونا سے لڑنے میں حکومت اتر پردیش نے سب سے کم زور کڑی کے طور پر خود کو پیش کیا۔

جب ۳۲ کروڑ لوگ بے بسی میں مبتلا ہوں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ وزیر اعظم کی شہہ پر ہی یہ ممکن ہے ورنہ دوسرے صوبوں کی طرح کچھ نہ کچھ اصلاح کی وہاں گنجایش پیدا ہوتی۔ وہاں مرکزی حکومت کو کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے ورنہ سچّی بات تو یہ ہے کہ یوگی آدتیہ ناتھ جی کو اتر پردیش میں وزیر اعلا صرف ایک مقصد سے بنایا گیا تاکہ وہ رام مندر بنا سکیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی طرح ہی اگر چہ کانگریس کا بھی وہی حال ہے مگر کئی دنوں سے سونیا گاندھی وزیر اعظم سے آل پارٹی میٹنگ کی درخواست کر رہی ہیں۔ علم سیاسیات کے پڑھنے والے کتابوں میں یہ بات پڑھ کر آتے ہیں کہ مشکل حالات میں قومی حکومت یا نیشنل گورنمنٹ قایم کی جاسکتی ہے۔

جب کوئی حکومت ملک کے بڑے مسائل کے حل کرنے میں ناکام ثابت ہو اس وقت اسے حزب اختلاف کو شامل کر کے پورے پارلیمنٹ کی بہترین افراد کو پیش نظر رکھ کر ایک حکومت بنائی جاسکتی ہے۔ گذشتہ ڈیڑھ برسوں میں دنیا کے کئی ملکوں کے وزرا بدلے گئے۔ سربراہان حکومت تبدیل ہوئے یہاں تک کہ امریکا کے صدر بھی ہٹائے گئے۔ آج اس بات کی ضرورت شدّت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ نریندر مودی کو پارٹی لائن سے ہٹ کر ایسے لوگوں کو قومی حکومت میں شامل کرنا چاہیے جن کی ایمان داری، اپنے کاموں میں مہارت اور عوامی بے بسی سے براہِ راست واسطہ ہو۔ ایسی سرکار میں وبا میں کام کرنے کے ماہرین کو ذمہ داریاں دی جائیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بیچ سرسیّد احمد خاں کو متاثرہ علاقوں کی باز آباد کاری کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، اور راحت کاری کا انھوں نے مثالی کام انجام دیا تھا۔ مہاراشٹر میں جب زلزلہ آیا تو بہار کے آئی اے ایس افسر کے بی سکینہ ریلیف کمشنر بنا کر بھیجے گئے۔ اسی طرح آج بھی نیک دل، نیک طینت، حسّاس اور ایمان کو سرِ فہرست رکھنے والے افسران، ماہرین اور چند سیاست داں مل ہی جائیں گے۔ چین کی جنگ کے موقعے سے جواہر لال نہرو نے ہندستان کے مشہور صحافیوں کو صلاح و مشورے کے لیے خاص طور پر بلایا اور ان کی صلاح سے ہی اس کے بعد بہتر نتائج سامنے آئے۔

مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت جمہوری دائرے میں تو بنی ہے مگر یہ مطلق العنان اور کاروباری دنیا کی نمائندہ ہو گئی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ فرقہ واریت سے ہمیں ووٹ حاصل ہو جائے گا اور رام مندر بنانے سے پھر ایک بار حکومت سازی ممکن ہو سکے گی۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ملک کے ہر مالی ادارے کو کسی صنعت کار کے ہاتھ بیچ کر آنے والے دنوں کا ذاتی خاکہ تیار کر لیا جائے گا۔ وبا میں بھی ساری رقومات اسی انداز سے اِدھر سے اُدھر ہو رہی ہیں۔ ایسے میں اس حکومت سے آخر کسی تعمیری اور انسان دوست نقطۂ نظر کی کون توقع کر سکتا ہے۔ اس لیے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک کے عوام موت کے بھنور میں الجھ گئے ہیں اور اس سے نکلنے کے لیے ان کی چنی ہوئی حکومت مددگار نہیں۔

ایشیا میں کورونا وائرس کی تبدیل شدہ شکلیں، دنیا کے لیے بڑا خطرہ

جینوم ڈیٹا بیس کے مطابق اس وقت ”سارس کوو ٹو“ کی ایک ہزار سے زائد تبدیل شدہ اشکال منظر عام پر آ چکی ہیں۔ تمام تر کوششوں کے باوجود کورونا وائرس کی تبدیل شدہ اشکال مستقبل میں بھی انسانوں کے لیے بڑا خطرہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ کورونا وائرس کی وبا سے پھیلنے والی بیماری کووڈ-۱۹ سے کئی لاکھ انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں، اس وائرس کی مختلف تبدیل شدہ صورتیں بھی سامنے آتی جا رہی ہیں، ایسے ویریئنٹس کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر چکی ہے، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے ان ویریئنٹس کی پہچان کے لیے اب ان کے نام رکھنا شروع کر دیے ہیں۔ عالمی ادارۂ صحت نے کورونا وائرس کے ویریئنٹس کی شناخت یونانی حروف تہجی سے کرنے کا نظام متعارف کرایا ہے، ایک حروف تہجی میں ایک جیسی خاصیتوں کے حامل ویریئنٹس رکھے جائیں گے، اس نظام کے تحت برطانوی، جنوبی افریقی اور بھارتی ویریئنٹس کو الفا، بیٹا اور گاما کا نام دیا گیا ہے، ایسے نام رکھنے کی وجہ ان کے مشکل اور پیچیدہ سائنسی نام ہیں۔ کورونا وائرس کا نیا ویریئنٹ ویتنام میں دریافت ہوا ہے، یہ ایلفا اور ڈیلٹا ویریئنٹس کے ملاپ سے پیدا ہوا ہے، اس نے گزشتہ ماہ مئی میں تیزی سے پھیلنا شروع کیا تھا، لیکن ماہرین طب کے بروقت اقدام سے اس پر قابو پا لیا گیا، اب تک قریب ساڑھے تین ہزار افراد میں اس کی نشاندہی ہوئی ہے، نئے ویریئنٹ سے سینتالیس ویتنامی شہریوں کی موت ہو چکی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ویریئنٹس سے بیمار ہونے والے افراد کی تعداد کسی حد تک بعض ممالک میں کم ہے، اس کے باوجود ایشیا اور دوسرے براعظموں میں ان کی افزائش پر تشویش ضرور پائی جاتی ہے۔ ان ویریئنٹس کی وجہ سے وبا میں تسلسل پایا جا رہا ہے، جو کئی ممالک کے لیے خطرناک ہو رہا ہے۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ ویکسینیشن کے باوجود شمالی نصف کرے یعنی آسٹریا، فرانس اور جرمنی کے ساتھ کئی یورپی ممالک، چین، کینیڈا اور امریکہ میں ویریئنٹس کے گہرے منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، اگر ان تیزی سے پھیلتے ویریئنٹس نے انسانی جسم میں افزائش پانی شروع کر دی تو ویکسین کے اثرات زائل ہونا شروع ہو جائیں گے اور ایک متبادل ویکسین کی ضرورت ہوگی۔ ایسے شواہد موجود ہیں کہ وائرس کی ہیئت میں تبدیلی کی ابتدا ایشیائی ممالک سے ہوئی ہے، ان میں سری لنکا اور کمبوڈیا جیسے ممالک سرِ فہرست ہیں، ان میں پیدا ہونے والے ویریئنٹس کو الفا کا نام دیا گیا ہے، ان کے خلاف بائیو این ٹیک فائزر ویکسین ایک مناسب ہتھیار ہے، ایسٹرا زینیکا ویکسین بھی مؤثر ہو سکتی ہے، نیپال میں دستیاب کورونا وائرس کا ویریئنٹ ڈیلٹا کیٹگری میں آتا ہے اور اس کا پھیلاؤ بھی تیزی سے ہوا، آبادی کے تناسب سے نیپال کی صورت حال بھارت سے بھی زیادہ شدید ہے۔ ڈیلٹا کیٹگری کے وائرس کی موجودگی ویتنام میں بھی پائی گئی ہے اور وہاں ایسٹرا زینیکا ویکسین نے ویریئنٹ کا بھرپور مقابلہ کیا ہے۔ اس وقت کئی ادارے اس ریسرچ میں مصروف ہیں کہ کونسی ویکسین کس ویریئنٹ کے خلاف مؤثر ہو سکتی ہے، بنگلہ دیش میں بیٹا کیٹگری کا ویریئنٹ پایا گیا ہے اور اس ملک میں ایسٹرا زینیکا ویکسین کی کارکردگی قدرے کم رہی ہے۔ اب یہ اہم ہو گیا ہے کہ درست ویکسین ہی ایک مخصوص ویریئنٹ کا مقابلہ بخوبی کر سکتی ہے۔ (الیگزانڈر فروئنڈ، بحوالہ بی بی سی لندن)

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کرتا ہوں کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

حالیہ دنوں میں تقدیر الٰہی سے جن علمی، فکری اور ملی شخصیات کی وفات کے صدمے سے ملت اسلامیہ ہندیہ دوچار ہوئی، ان میں اہم ترین نام مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ صاحب امیر شریعت سابع امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ، جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا ہے، حضرت رحمہ اللہ جرأت واستقلال کے پیکر، اسلاف کی روایات کے امین، خاندانی شرافت وخصوصیات کے وارث، علم وعمل کا مجمع البحرین، ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، بلاشبہ آپ اپنی ذات میں ایک عہد، ایک تاریخ اور ایک تحریک تھے، ملک کے موجودہ مہیب منظرنامے میں ملت اسلامیہ ہندیہ کی قیادت کے حوالے سے، آپ کی شخصیت ''قندیل رہبانی'' کا کام کررہی تھی، آپ نے اپنی ذات اور عبقری خدمات سے دوررس اثرات چھوڑے اور علمی، فکری اور ملی میدانوں میں نہایت گہرے نقوش ثبت کیے، جن میں بعد والوں کے لیے حکمت، فراست، جرأت وبے باکی، روحانیت اور ملی قیادت کے رنگ وآہنگ کا کافی سامان موجود ہے۔ حضرتؒ کے فکری، علمی، ادبی، سیاسی، سماجی اور اصلاحی سرمایے کو محفوظ کرنے اور نسل نو کو حضرت کی امتیازی صفات وخصوصیات سے واقف کرانے کی غرض سے، امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ نے اپنے ترجمان، ہفت روزہ ''نقیب'' کا خصوصی شمارہ بنام ''امیر شریعت سابع نمبر'' شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آں محترم سے گزارش کی جاتی ہے کہ اس شمارے کے لیے اپنا قیمتی مضمون تحریر فرما کر ۳۰ر جون ۲۰۲۱ء تک ہفتہ وار نقیب کے ای میل (naqueeb.imarat@gmail.com) پر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں، جزاکم اللہ خیرا۔

رابطہ کے لیے: (۱) مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب مدیر نقیب، موبائل نمبر: 8210137717 (۲) مولانا رضوان احمد ندوی نائب مدیر نقیب، موبائل نمبر: 9523469941

محمد شمشاد رحمانی قاسمی

نائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ واستاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند

امیر شریعت سابع حضرت مولانا سید محمد ولی صاحب رحمانیؒ کی حیات وخدمات اور افکار ونظریات پر نقیب کے خصوصی شمارہ کے لیے مجوزہ عناوین

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
	پیغامات وتاثرات		
1	اکابر علماء کے پیغامات	2	سیاسی شخصیتوں کے پیغامات
3	اہل علم ودانشوران کے پیغامات		
	احوال وآثار		
4	حضرت امیر شریعت سابعؒ: حیات، خدمات اور کارنامے	5	حضرت امیر شریعت سابعؒ کی شخصیت کے امتیازی پہلو
6	عصر حاضر کی ایک عظیم شخصیت: حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ	7	حضرت امیر شریعت سابعؒ کے اعلیٰ اخلاقی اقدار
8	حضرت امیر شریعتؒ کا دور طالب علمی	9	حضرت امیر شریعتؒ کا طریقۂ تدریس
10	حضرت امیر شریعتؒ کے اساتذہ کرام	11	حضرت امیر شریعتؒ کے نامور خلفاء اور مریدین
12	حضرت امیر شریعتؒ کے رفقاء عالی مقام	13	خانوادۂ مفکر اسلامؒ
14	حضرت امیر شریعت سابعؒ پر لکھی گئی کتابیں		
	افکار ونظریات		
15	حضرت امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانیؒ اور فکر سجادؒ	16	حضرت امیر شریعتؒ کے چند اساسی رجحانات
17	حضرت امیر شریعتؒ اتحاد امت کے علمبردار	18	حضرت امیر شریعتؒ کی فقہی بصیرت
19	حضرت امیر شریعتؒ کی فکری بصیرت	20	حضرت امیر شریعتؒ کی سیاسی بصیرت
21	حضرت امیر شریعتؒ کی ملکی قوانین پر دوررس نگاہ	22	حضرت امیر شریعتؒ کی جرأت وبیباکی
23	حضرت امیر شریعتؒ بحیثیت مربی	24	حضرت امیر شریعتؒ اکابر کی نظر میں
25	ملفوظات مفکر اسلامؒ		
	خدمات وتحریکات		
26	امیر شریعت حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ کی قومی وملی خدمات	27	حضرت امیر شریعت سابعؒ کا دور امارت
28	تحفظ شریعت کے میر کارواں: مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ	29	حضرت امیر شریعتؒ کی تعلیمی تحریک
30	حضرت امیر شریعتؒ اور تحفظ اردو	31	حضرت امیر شریعتؒ اور ناموس مدارس اسلامیہ
32	حضرت امیر شریعتؒ اور تعلیمی ادارے (جامعہ رحمانی مونگیر، دار العلوم دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، رحمانی فاؤنڈیشن)	33	امیر شریعت حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ اور ملی تنظیمیں
34	حضرت امیر شریعت اور خانقاہ رحمانی مونگیر	35	جہد مسلسل کی آئینہ دار شخصیت: مولانا محمد ولی رحمانی
36	نظام قضاء اسلامی کے فروغ میں حضرت امیر شریعتؒ کا کردار	37	بحر تصوف کے شناور؛ پیر طریقت حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ
38	حضرت امیر شریعتؒ: ایک عظیم مرشد ورہنماء	39	حضرت امیر شریعت سابعؒ اور افراد سازی
40	حضرت امیر شریعت بحیثیت رکن قانون ساز کاؤنسل	41	حضرت امیر شریعتؒ کے دعوتی واصلاحی اسفار
	علمی وتحقیقی کارنامے		
42	حضرت امیر شریعتؒ اپنے خطبات کے آئینے میں	43	حضرت امیر شریعتؒ کی تصانیف وتالیفات: ایک مطالعہ
44	حضرت امیر شریعتؒ کی صحافت	45	حضرت امیر شریعتؒ کی مکتوب نگاری
46	حضرت امیر شریعتؒ کا اسلوب تحریر	47	حضرت امیر شریعتؒ کا ادبی ذوق اور حس مزاح
	سفر آخرت		
48	حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی کے آخری ایام اور سفر آخرت		
	تعزیتی پیغامات ومنظوم تاثرات		
49	تعزیتی پیغامات	50	منظوم تاثرات
	اشاریے		
51	حضرت امیر شریعتؒ کے مضامین ومقالات کا اشاریہ	52	حضرت امیر شریعت پر لکھی گئی کتابوں اور مضامین کے اشاریے

Scanned with CamScanner

طب وسائنس

صحت کا راز

افسوس کہ ہم اچھی صحت اور طویل عمر کے خواہش مند تو ضرور ہیں لیکن جن اصولوں پر عمل کرنے سے یہ باتیں حاصل ہوتی ہیں ان سے بالکل ناواقف ہیں یا عمل نہیں کرتے۔ آپ کسی صحت مند بزرگ سے سوال کریں آپ کی طویل العمری کا راز کیا ہے تو جواب یہی ملے گا کہ بالکل سادہ زندگی۔ طب اسلامی میں جس طرح بیماری کے دوران علاج سے بھی زیادہ اہمیت پرہیز کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح قدیم اطباء نے بیماریوں سے بچنے کیلئے حفظ ماتقدم یا احتیاطی تدابیر کو ضروری قرار دیا ہے۔

بزرگان طب کے صدیوں کے تجربات اور مشاہدات اس اصول کی صداقت کے شاہد ہیں کہ پرہیز علاج سے بہتر اور احتیاط دوا سے ضروری ہے۔ یاد رکھیے آپ کو اپنے جسم کی اس طرح حفاظت کرنی چاہیے جس طرح ایک ہوشیار وعقلمند مالی اپنے باغ کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ ہر صبح وشام اپنے پودوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اگر آپ کی صحت خراب رہتی ہے۔ آپ کو تھکاوٹ وکمزوری محسوس ہوتی ہے تو کم از کم صحت کے آسان اصولوں پر عملی قدم اٹھائیں۔ ان آسان اصولوں میں تازہ ہوا اور چند کلومیٹر پیدل چلنے پھرنے کی افادیت اظہر من الشمس ہے۔ ہوا ایک مادی چیز ہے اور وزن رکھتی ہے۔ یہ مفرد یا بسیط نہیں بلکہ کئی اجزاء سے مرکب ہے۔ پانچ میل سطح زمین سے اوپر کی ہوا لطیف ہو جاتی ہے۔

بلند پہاڑوں کی چڑھائی یا ہوائی جہازوں کی بلند پروازی میں کرۂ ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو بلندی پر پہنچ کر چند عوارض بھی ہو جاتے ہیں، شدید سر درد، متلی اور چکروں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض اشخاص کو بلندی پر سانس کی تنگی کی شکایت ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ ہانپنے لگ جاتے ہیں۔ ان تمام عوارض کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کو چونکہ سانس لینے کیلئے بہت رقیق ہوا ملتی ہے اس لیے پھیپھڑوں میں آکسیجن کی اشد ضرورت پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث مذکورہ شکایتیں ہو جاتی ہیں۔

انسان وحیوان کی زندگی کیلئے سب سے ضروری چیز ہوا ہے؛ کیونکہ غذا کے بغیر تو انسان چند یوم زندہ رہ سکتا ہے؛ لیکن ہوا کے بغیر وہ چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ ہم تازہ ہوا میں سانس نہ لیں تو کبھی تندرست نہیں ہو سکتے اور کوئی مفرح یا قوتی معجون اور کوئی جنرل ٹانک، کستوری، عنبری یا کشتہ سونا کسی کی صحت کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ہوا جس قدر پاک وصاف ہوگی اسی قدر صحت وتندرستی قابل رشک ہوگی۔ چنانچہ جو لوگ کھلی فضا اور تازہ ہوا میں رہتے ہیں، وہ تندرست، مضبوط، خوبصورت اور خوش اخلاق ہوتے ہیں، برخلاف اس کے جو لوگ تنگ وتاریک مکانات اور کثیف ہوا میں رہتے ہیں وہ کمزور نحیف اور ضعیف ہوتے ہیں اور ان میں چونکہ قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے اس لیے وہ مختلف بیماریوں میں اکثر مبتلا رہتے ہیں۔ غرضیکہ ہماری صحت اور تندرستی صاف تازہ ہوا پر منحصر ہے۔ بعض لوگ دوسروں کو پیدل پھرنے اور تازہ ہوا سے روکتے ہیں؛ مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خود ان کو بھی ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ تازہ ہوا سے آپ کے تمام اعضاء دل، جگر، معدہ اور پھیپھڑے درست ہو جائیں گے اور آپ کے اندر مقناطیسی کشش پیدا ہو جائے گی۔ مثلاً جس طرح مچھلیاں سمندر میں رہنے والی مخلوق ہیں۔ اسی طرح انسان ہوا کے سمندر کا حیوان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں تازہ صاف ہوا کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جس ہوا سے ایک بار سانس لے لیا گیا ہو وہ ہوا کثیف یعنی خراب ہو جاتی ہے۔ ہم کو دوسرے سانس کیلئے تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔

یاد رکھیے! سونے کے کمرے اور کام کرنے کے کمروں کے کواڑ، روشن دان آر پار کھلے رکھنے چاہئیں تاکہ تازہ ہوا کی آمد ورفت باقاعدہ جاری رہے۔ خراب ہوا کی وجہ سے جو بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں ان میں سر میں درد، بھوک کی کمی، نزلہ وبخار، بے خوابی، اعصابی کمزوری اور فساد خون شامل ہیں۔ ہمارے خون کو ہر وقت تازہ ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے قوت مدافعت میں اضافہ ہوتا ہے اگر تازہ ہوا نہ ملے تو جسم کی قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے۔ جراثیم حملہ آور ہوتے ہیں اور ہمارے بدن کے سپاہیوں (خون کے سفید ذرات) کو شکست دے کر بدن پر غالب آ جاتے ہیں اور ہر وہ تکلیف پہنچاتے ہیں جس کے وہ اہل ہوتے ہیں۔ سگریٹ اور حقہ کا دھواں بھی ہوا کو خراب کرتا ہے۔ سگریٹ کی زہریلی گیس سے دھواں سانس کے اندر جا کر کھانسی اور ضیق النفس پیدا کرتا ہے۔ میلوں پیدل چل کر ہوا خوری کرنا حفظ صحت کا ضروری اصول ہے۔ اکثر لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ ان کی صحت اچھی نہیں رہتی؛ لیکن ان میں کتنے حضرات ہیں جنہوں نے خرابی صحت کے اسباب پر غور وفکر کیا ہے۔

آپ کسی صحت مند بزرگ سے سوال کریں آپ کی طویل العمری کا راز کیا ہے تو جواب یہی ملے گا کہ بالکل سادہ زندگی اور صبح کی سیر، یعنی چند کلومیٹر پیدل چلنا ہے اور وہ اس پر پابندی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ صبح کی ہوا خوری یا حسب طاقت ورزش ودوڑ سے پھیپھڑوں میں خون صاف ہوتا ہے۔ بعض حضرات وقت کی کمی کا بہانہ پیش کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر آپ ہوا خوری نہیں کر سکتے تو آپ کو بیمار ہو کر پلنگ پر پڑے رہنے کیلئے وقت نکالنا پڑے گا۔ آپ کو اعلیٰ درجہ کی حیات بخش نسیم سحر جو طلوع آفتاب سے پہلے چلتی ہے اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ اس کے بعد سورج کی بنفشی شعاعوں سے فائدہ اٹھائیں یہ شعائیں موذی جراثیم ہلاک کرتی ہیں۔ صحت قائم رکھتی ہیں اور جسم میں قوت مدافعت پیدا کرتی ہیں۔

ہفتۂ رفتہ

راشد العزیزی ندوی

21 جون سے مفت کورونا ٹیکہ وزیر اعظم کا اعلان

کورونا بحران کے درمیان وزیر اعظم نریندر مودی نے کورونا ٹیکہ کاری سے متعلق ایک بڑا اعلان کیا۔ انھوں نے کہا کہ 21 جون سے ملک میں 18 سال سے زیادہ عمر والے سبھی لوگوں کو حکومت ہند کے ذریعہ مفت ویکسین لگائی جائے گی۔ ساتھ ہی وزیر اعظم مودی نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ریاستوں سے ٹیکہ کاری کا کام واپس لیا جائے گا اور اب مرکزی حکومت ہی یہ کام کرے گی۔ یہاں قابل ذکر ہے کہ ابھی ویکسین کا 50 فیصد کام مرکزی حکومت، 25 فیصد ریاستی حکومتیں اور 25 فیصدی پرائیویٹ سیکٹر کے ہاتھ میں تھا۔ اب ویکسین کا 75 فیصد حصہ مرکزی حکومت اور باقی حصہ پرائیویٹ سیکٹر کو ملے گا۔ جہاں تک مودی کے ذریعہ مفت ٹیکہ کاری کے اعلان کا سوال ہے، اسے اپوزیشن لیڈروں کے ذریعہ بار بار دباؤ دیئے جانے کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ دراصل راہول گاندھی، پرینکا گاندھی، اکھلیش یادو اور دیگر کئی قائدین مفت ٹیکہ کاری کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ حالانکہ پرائیویٹ سیکٹر میں ٹیکہ کاری کے لیے اب بھی پیسے لیے جائیں گے، لیکن اس تعلق سے بھی کچھ ہدایتیں دی گئی ہیں۔ بہر حال، وزیر اعظم نے آج ملک سے خطاب کرتے ہوئے واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ اب کسی بھی ریاستی حکومت کو ویکسین کے لیے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا ہوگا۔ اب تک ملک کے کروڑوں لوگوں کو مفت ویکسین ملی ہے، اب 18 سال کی عمر کے لوگ بھی اس میں جڑ جائیں گے۔ تمام شہریوں کے لیے حکومت ہند ہی مفت ویکسین دستیاب کروائے گی۔

بیٹری سے چلنے والی گاڑیوں کو رجسٹریشن اور تجدید کی فیس میں چھوٹ

مرکزی حکومت نے گاڑیوں سے ہونے والی آلودگی کو کم کرنے کے واسطے متبادل توانائی کو فروغ دینے کے لئے بیٹری سے چلنے والی گاڑیوں کو رجسٹریشن اور تجدید کی فیس سے چھوٹ دینے کی تجویز پیش کی ہے۔ وزارت روڈ ٹرانسپورٹ وشاہراہ نے ایک بیان میں کہا کہ وزارت نے 27 مئی کو ایک نوٹیفکیشن جاری کیا ہے، جس کے تحت موٹر وہیکل رولز 1989 میں ترمیم کر کے بیٹری سے چلنے والی گاڑیوں کو رجسٹریشن وغیرہ کی فیس سے مستثنیٰ رکھنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ وزارت نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں تجویز رکھی گئی ہے کہ بیٹری سے چلنے والی گاڑیوں کو رجسٹریشن سرٹیفکیٹ یعنی آر سی یا تجدید اور نئے رجسٹریشن کے لئے فیس سے چھوٹ ملنی چاہئے، اس بارے میں ایک ماہ کے اندر عوام اور اسٹیک ہولڈروں سے مشورے طلب کیے گئے ہیں۔

حج 2021: اب تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے' مختار عباس نقوی

مرکزی وزیر اقلیتی امور مختار عباس نقوی نے ۵ر جون کو اپنے بیان میں کہا ہے کہ حج 2021 پر اب تک کوئی فیصلہ نہیں لیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ تمام تر چیزوں کا انحصار سعودی حکومت کے فیصلے پر ہے۔ اے این ائی کے ٹوئٹر ہینڈل پر منسٹر کے حوالے سے لکھے گئے بیان کے مطابق وزیر اعظم نریندر مودی نے کہا ہے کہ سعودی حکومت کے فیصلوں کے ساتھ ہندوستان کھڑا رہے گا۔

بنگال میں بی جے پی کے 33 ارکان اسمبلی ٹی ایم سی میں شمولیت کیلئے تیار

مغربی بنگال اسمبلی انتخاب سے قبل ترنمول کانگریس کے کئی قائدین یکے بعد دیگرے بی جے پی میں شامل ہو گئے تھے، اور اب جب کہ ممتا بنرجی کی قیادت میں ایک بار پھر ترنمول حکومت بنگال میں تشکیل پا چکی ہے، تو بی جے پی کو کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پہلے تو ترنمول کانگریس سے بی جے پی میں شامل ہونے والے کئی ایسے قائدین نے جو اسمبلی انتخاب میں ہار گئے، گھر واپسی کا ارادہ ظاہر کرنا شروع کر دیا، اور اب ایسی خبریں سامنے آ رہی ہیں کہ بی جے پی کے تقریباً تین درجن اراکین اسمبلی ترنمول کانگریس میں شامل ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

ہندی نیوز پورٹل 'جن ستا' پر شائع ایک رپورٹ میں میڈیا کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ بنگال میں بی جے پی کے ایک یا دو نہیں بلکہ ۳۳ر اراکین اسمبلی ایسے ہیں جو دوبارہ ترنمول کانگریس میں واپس جانا چاہتے ہیں۔ دعویٰ یہ بھی کیا جا رہا ہے کہ بی جے پی کے قومی نائب صدر مکل رائے کے بیٹے سبھرانشو بھی ترنمول میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ حالانکہ بی جے پی اسے افواہ قرار دے رہی ہے، لیکن سبھرانشو کے تیور جس طرح بدلے ہوئے نظر آ رہے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔ رپورٹ میں ترنمول کانگریس کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ چیف منسٹر ممتا بنرجی بی جے پی میں چلے گئے ترنمول کانگریس کے قائدین کی واپسی پر جلد کوئی فیصلہ لیں گی۔ سیاسی ماہرین کا ماننا ہے کہ پارٹی چنندہ قائدین کی واپسی قبول کرے گی تاکہ ۲۰۲۴ کے لوک سبھا الیکشن سے قبل پارٹی کارکنان کو پیغام دیا جا سکے کہ بغاوت برداشت نہیں کی جائے گی۔ ترنمول کانگریس کے ایک قائد نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط کے ساتھ کہا کہ اس معاملے میں اعلیٰ قیادت ہی آخری فیصلہ لے گی۔

Volume:61/71, Issue: 24 Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF, PATNA-801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

آہستہ بات کر کہ ہوا تیز ہے بہت
ایسا نہ ہو کہ سارا نگر بولنے لگے
(وزیر آغا)

ظلم برداشت کرنے سے بزدلی آتی ہے

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

بھارت کا وجود ایک جمہوری ملک کے طور پر 1947ء میں ہوا تھا اور 1949ء کو تمام بھارتیوں کو یہ حلف دلایا گیا تھا کہ ''ہم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو ایک مقتدر سماج وادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لئے حاصل کریں: انصاف، سماجی، معاشی اور سیاسی آزادی خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت، مساوات بہ اعتبار حیثیت اور موقع اور ان سب میں ترقی دیں، جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کا تیقن ہو، اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج 26 رنومبر 1949ء کو یہ آئین ذریعہ ہذا اختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں''۔

لیکن افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ابھی اس عہد اور حلف کے سو سال بھی پورے نہیں ہوئے ہیں کہ ہم سب خلاف ورزی پر اتر آئیں ہیں، کوئی کم تو کوئی زیادہ؛ کیوں کہ ملک کی سالمیت اور ترقی کے لئے ہم تمام لوگوں نے عزم کیا تھا، اب ہر فرد یہ سوچے کہ وہ اپنے اس عزم پر کس حد تک قائم ہے؟ آج اگر ایک طبقہ ملک کے کچھ لوگوں پر زیادتی کر رہا ہے تو دیگر لوگ کیا کر رہے ہیں؟ اس زیادتی کو برداشت کیوں کر رہے ہیں؟ کیا اس زیادتی کی وجہ سے ملک کی سالمیت باقی رہے گی اور کیا ملک کی ترقی ہوگی؟ ظاہر ہے کہ نہیں؛ کیوں کہ اس ملک کی خصوصیت ہی گنگا جمنی تہذیب ہے تو اس کی ترقی اس تہذیب کو ختم کر کے کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ جب ایک طبقہ زیادتی پر اترتا ہے تو ہم کھڑے تماشائی بن کر کیوں دیکھتے ہیں؟ کیا ہم پر ضروری نہیں ہے کہ ہم اس زیادتی کرنے والوں کے ہاتھ پکڑیں؟ کیا ہم سب نے مل کر یہ عزم نہیں کیا ہے کہ اس ملک میں اخوت اور بھائی چارگی کو ترقی دیں گے؟ تو پھر ہم کیوں اس زیادتی کے خلاف نہیں کھڑے ہوتے؟ ہم تماش بین کیوں بن جاتے ہیں؟ یاد رکھئے! جب زیادتی کرنے والے کو ڈھیل دی جاتی ہے تو اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے، اس کے اندر غرور آجاتا ہے، تکبر آجاتا ہے اور وہ خود کے بارے میں یہ تصور کرنے لگتا ہے کہ ہم سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا، پھر وہ کمزوروں سے آگے بڑھ کر اپنے برابر والوں سے بھی پنجہ آزمائی شروع کر دیتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ظلم کرنا گناہ ہے، اسی طرح ظلم سہنا بھی گناہ ہے؛ کیوں کہ اگر ظلم سہنے کو شیوہ بنا لیا جائے تو پھر رفتہ رفتہ بزدلی آجاتی ہے، بنی اسرائیل کی مثال اس تعلق سے بالکل واضح ہے، ظلم سہتے سہتے وہ قوم بزدل ہو گئی تھی اور کسی طور پر جنگ کے لئے تیار نہیں ہوتی، اسی لئے جب انھیں ایک نافرمان قوم سے جنگ کا حکم دیا گیا تو انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ آپ اپنے رب کے ساتھ جائیں اور جنگ کریں، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے، اس جملے میں ان کی سرکشی بھی پائی جا رہی ہے؛ لیکن ساتھ میں بزدلی بھی موجود ہے۔

نبوت ملنے کے بعد مکہ میں تو ظالموں کے ظلم کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا؛ لیکن مدینہ میں ظلم سہنے کا نہیں؛ بل کہ ظلم سے مقابلہ کا حکم دیا گیا، اگر مدینہ میں بھی ظلم کو برداشت کیا جاتا رہتا تو خود سوچئے کہ کیا اسلام کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا، جتنا ہوا؟ مکہ فتح ہوتا؟ اور کیا مکہ کے لوگ اسلام میں داخل ہوتے؟ انسانیت کا وہ درس دنیا کے سامنے آپاتا، جو آیا؟ اخوت و بھائی چارگی کا وہ نمونہ دنیا دیکھتی، جو اسے دیکھنے کو ملی؟ مظلوموں کو تسلی ملتی، جو ملی؟ ظالم کا سر نیچا ہوتا، جو ہوا؟ ظالموں کو سبق ملتا، جو ملا؟ دنیا کا قانون بھی یہی ہے کہ ایک مدت کے بعد ظلم کا مقابلہ ضروری ہے؛ بل کہ اگر اس وقت کی دنیا کا مطالعہ کریں تو بات سمجھ میں آئے گی کہ آج کا دور ظلم کے برداشت کا دور نہیں ہے؛ بل کہ جس طرح حکم اس بات کا دیا گیا ہے کہ کہ موذی کو ایذا پہنچانے سے قبل ہی مار ڈالو، اسی طرح آج کا دور ہے، ظالم کو ظلم کرنے سے پہلے مٹا دینا چاہئے، ورنہ ظالم کی طرف سے ایسی تباہی ہوتی ہے کہ بعد میں سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا، ہیروشیما اور ناگاسا کی ظلم کی انتہا کی مثال ہے کہ آج بھی وہاں بچوں کی پیدائش صحیح سالم نہیں ہوتی، جسمانی اعتبار سے کچھ نہ کچھ نقص پایا جاتا ہے، عراق کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا، بعد میں ''سوری'' کہہ دیا گیا کہ غلطی ہو گئی تھی، افغانستان کو برباد کر دیا گیا، اب جا کر صلح صفائی کی گئی، ابھی حال میں غزہ کو تہس نہس کر دیا گیا، بعد میں جنگ بندی کی گئی، اب تعمیر نو کی بات کی جا رہی ہے۔

یہ سب مثالیں ہیں، جو ہمارے سامنے ہیں، ان کے علاوہ دن ورات میں کتنی مثالیں اس کی ہمیں مل جاتی ہیں خود اپنے ملک میں؛ لیکن ہم ان کی طرف توجہ نہیں دیتے، اور یہ آج سے نہیں ہو رہا ہے؛ بل کہ ایک مدت سے یہ سب چلتا چلا آرہا ہے، بھارت کی تاریخ میں فسادات کا ایک لمبا سلسلہ ہے، جو تقریباً تمام کے تمام کانگریس کی قیادت میں انجام دئے گئے؛ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم اسی کے دم چھلے بن کر رہے اور آج بھی اس کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، ہم جس کی وجہ سے بیمار ہوئے، اسی کے پاس دوا تلاشتے رہے، ہمیں جو مارتا رہا، ہم اسی سے پناہ مانگتے رہے، جو سانپ ہمیں ڈستا رہا، ہم اسی کو دودھ پلاتے رہے، آج اسی کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

اگر ہم ظلم کا مقابلہ کرتے رہتے تو آج ہماری حالت ویسی نہیں ہوتی، جو آج اپنے ہی ملک میں ہے، ظلم سہتے سہتے اب ہم بزدل ہو چکے ہیں، ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو جاتا ہے، ہم جوش میں تھوڑا چلاتے چیختے ہیں، پھر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، فسادات کی اتنی تعداد ویسے ہی تھوڑے وجود میں آئی ہے؟ ظلم سہنے اور برداشت کرنے کے نتیجہ میں اتنی تعداد وجود میں آئی ہے، پھر اس کے بعد قانونی کارروائی بھی ہماری طرف سے خاطر خواہ نہیں ہو پاتی، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہاشم پورہ کے لوگ انصاف کے منتظر ہیں، اس ملک میں سکھ کے ساتھ بھی ایک زمانہ میں ظلم ہوا؛ لیکن اس کے بعد پھر کبھی نہیں سنا گیا؛ کیوں؟ کیوں کہ انھوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا، انھوں نے بتایا کہ ہم ظلم سہہ کر رہنے والی قوم نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے سکھوں پر ظلم کیا تھا، انھیں لوگوں نے اس قوم کو اپنے سر کا تاج بنایا؛ بل کہ اس پر وہ مجبور ہوئے۔

۲۰۱۴ء میں محسن شیخ کی ماب لنچنگ کی گئی، اس پر ہم نے خاطر خواہ ایکشن نہیں لیا، نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ ملک کے اس کونہ سے لے کر اس کونہ تک ماب لنچنگ کی ایک طویل فہرست وجود میں آگئی، جو آج بھی رکنے کا نام نہیں لے رہی ہے، جس وقت ہمارے ملک میں لنچنگ کا بازار گرم تھا، ٹھیک اسی زمانہ میں ایک ویڈیو وائرل ہوئی تھی، جس میں دکھایا گیا تھا کہ ایک سکھ ڈرائیور کے ساتھ کچھ لوگوں نے زیادتی کی کوشش کی تو اس نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے اپنی گاڑی سے لاٹھی اور تلوار نکال لی، بس پھر کیا تھا، غنڈوں کی بھیڑ چھٹ گئی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آج کی دنیا میں طاقت کا مظاہرہ ضروری ہے، دنیا طاقت کے سامنے جھکتی ہے، خواہ وہ طاقت مالی ہو، جسمانی ہو، تعلیمی ہو یا پھر اسلحہ جاتی ہو اور ہمارا ملک تو اس تعلق سے کافی آگے ہے، ہر اس چیز کے سامنے جھکا جاتا ہے؛ بل کہ سر جھکایا جاتا ہے، جس کے اندر کسی بھی قسم نفع یا نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہو اور اس بات سے ہم سب واقف بھی ہیں؛ لیکن معلوم نہیں کہ اس کے باوجود آج تک ہم لوگوں کی توجہ اس طرف کیوں نہیں گئی؟

ماضی میں ہم نے کئی مواقع سے بھیڑ تو اکھٹی کی ہے، چند مواقع پر فائدہ بھی ہوا ہے؛ لیکن اب اس بھیڑ کا فائدہ نہیں ہو رہا ہے؛ اس لئے ہمیں حکمت عملی بدلنے کی ضرورت ہے، اب صرف بھیڑ جمع کرنے سے مسئلہ کا حل نہیں ہونے والا، یوں بھی بھیڑ کے ذریعہ سے مسائل بہت زیادہ حل نہیں ہوتے، مسائل وقت کے حساب سے حل ہوتے ہیں، جنگ آزادی میں بکسر و بنگال کی جنگوں میں بھارتیوں کو کیوں شکست ہوئی تھی؟ تعداد تو تھی؛ لیکن فریق مخالف کے لحاظ سے ہمارے پاس اسلحہ جات نہیں تھے، جنگ میں ترکوں کو جو شکست ہوئی، اس کی بھی ایک بڑی وجہ جدید اسلحہ جات کی کمی بتائی جاتی ہے، اگر ان کے پاس وقت کے لحاظ سے اسلحہ جات کی کھیپ تیار ہوتی تو شکست کا سامنا شاید نہیں کرنا پڑتا؛ اس لئے ہم سب کو سر جوڑ کر سوچنا چاہئے کہ ماضی کی کن کن غلطیوں کے نتیجہ میں ہماری طاقت ختم ہو گئی ہے؟ پھر ان غلطیوں کی اصلاح ضروری ہے، اگر اب بھی اس کی طرف ہماری توجہ ہو جائے تو بہت جلد ہم سر اٹھا کر جینے کے قابل ہو جائیں گے، ورنہ اسی طرح ہم پر زیادتی کی جاتی رہے گی، جو آج روا ہے؛ کیوں کہ کہنے کو تو یہ ملک جمہوری ملک ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ:

جمہوریت کی لاش پہ طاقت ہے خندہ زن
اس برہنہ نظام میں ہر آدمی کی خیر

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اس O دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile:9576507798 رابطہ اور واٹس اپ نمبر

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ اب نقیب مندرجہ ذیل سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر آن لائن بھی دستیاب ہے۔

Facebook Page: http//@Imaratshariah
Telegram Channel: https://t.me/imaratshariah

اس کے علاوہ امارت شرعیہ کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مزید مفید و دینی معلومات اور امارت شرعیہ سے متعلق تازہ خبریں جاننے کے لئے امارت شرعیہ کے ٹویٹر اکاؤنٹ Imaratshariah@ کو فالو کریں۔

(مینیجر نقیب)